نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشان بیٹھے ہیں

ماہنامہ

نقوش راہ

September
2021

فتح افغانستان
طالبان کا امتحان؟

اس شمارے میں

- افغانستان پر مکمل حکمرانی کے بعد طالبان کا امتحان؟
- یکساں سول کوڈ اور بھارتی مسلمان
- ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی
- اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

گائیڈنس پبلیشرز کی اہم مطبوعات

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

Islamic Youth Federation

ستمبر 2021ء، محرم الحرام/صفر المظفر ۱۴۴۳ھ

جلد: 04 شمارہ: 6

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
اداریہ	ڈاکٹر محمد مبشر خاں	04
درسِ قرآن	خبیب احسن فلاحی	05
درسِ حدیث	اسامہ عظیم فلاحی	07
افغانستان پر مکمل حکمرانی کے بعد طالبان کا امتحان؟	مسعود ابدالی	9
یکساں سول کوڈ اور بھارتی مسلمان	احمد اسامہ جعفری	13
شہر بغداد کی بنیاد	مرزا اطیب نور بیگ	17
معمولاتِ نبویؐ سے ایک دن	شاہد علی پوسد	20
ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی	مختار احمد مکی	22
اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار	خلیل احمد حامدیؒ	25
ولاء اور براء: محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ	ابوصدف مدنی	31
آزمائش کا نیا دور خودنمائی	پرویز نادر	35
گوشۂ خواتین: تحریک آزادیٔ نسواں	ابوحمید فلاحی	37
بک ریویو: عصر حاضر اور نظریۂ جہاد	ابوالفیض اعظمی	39
گوشۂ اطفال: پیسوں کی دوڑ	عبداللہ	41
اقبالیات: ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام	شیر خالد	42

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
❁ پرویز نادر ❁ فیض الرحمٰن
❁ حذیفہ احمد جاوید
❁ صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرِ تعاون

فی شمارہ: -/20

سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

حق و باطل کی کشمکش اس دنیا میں قیامت تک جاری رہے گی۔کبھی یہ آدم اور ابلیس کے درمیان،کبھی موسیٰ و فرعون،کبھی ابراہیمؑ اور نمرود اور کبھی آپؐ اور یہود ومشرکین کے درمیان۔اسی کشمکش میں بالآخر حق کو کامیابی نصیب ہوتی ہے اور باطل پاش پاش ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے۔''(الانبیاء:۱۸)

دنوں کے گردش کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یہ ایام ہیں جسے ہم لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔''(آل عمران:۴۰)

۲۱ویں صدی کے شروع میں دنیا کے سب سے طاقت ور ملک نے جنگوں سے بدحال ملک پر غرور وتکبر کے نشے میں حملہ کردیا تھا۔ظاہر بیں آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ غریب ملک اب دنیا کے نقشہ سے ختم ہوجائے گا اور اس پر ماتم کرنے والا بھی دنیا میں کوئی نہیں بچے گا۔نہ زمین روئے گی نہ آسمان۔لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا۔دنیا کے مال و اسباب،سائنس وٹیکنالوجی کے مقابلہ میں اللہ کی سنت اور کائنات میں پھیلی اللہ کی افواج پر بھروسہ تھا۔ان کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن کامیابی اہل ایمان کے حصہ میں ضرور آئے گی اور باطل جو دندناتا ہوا افغانستان میں داخل ہو رہا ہے،ایک دن ذلیل ورسوا ہوکر بھاگتا ہوا نظر آئے گا اور اس کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔۱۵راگست کی شام کو دنیا نے وہ تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے جن کی امید اہل ایمان کر رہے تھے۔

طالبان کی اس فتح سے عالم کفر کے ہوش اڑ گئے۔مغرب کا بنایا ہوا پورا نظام دھڑام سے زمین پر آگرا۔یہ مغرب کی صرف فوجی شکست نہیں بلکہ تہذیبی، سیاسی،سماجی ہر سطح کی شکست ہے۔بلکہ یہ مادی اسباب اور نام نہاد جمہوریت کی شکست ہے۔لیکن اس شکست کو چھپانے کے لیے امریکہ نے اپنے تمام حواریوں کو کام پر لگا دیا ہے۔

عالمی میڈیا کا ننگا ناچ شروع ہو چکا ہے اور وہی بے بنیاد الزام جو آج سے ۲۰ سال پہلے لگائے گئے تھے گردش میں آگئے ہیں۔مثلاً طالبان عورتوں کو حقوق نہیں دیتے اور ان کو ذلیل ورسوا کرتے ہیں،ذمیوں یا اقلیتوں پر ظلم کرتے ہیں،وحشت و بربریت،مذہبی تشدد اور عدم رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اپنے مخالفین کو چن چن کر قتل کرتے ہیں۔یہ الزامات اتنے شور و ہنگامہ کے ساتھ کیے جا رہے ہیں کہ لوگ اصل حقیقت تک پہنچ ہی نہ سکیں اور امریکہ کی شکست اور ناکامی اس ہنگامہ میں دب کر رہ جائے۔کسی کا ذہن اس طرف نہ جائے کہ امریکہ کو شکست ہو چکی ہے اور اس کے ۲۰ سالہ دور میں جو لاکھوں لوگوں کا قتل کیا گیا، عصمتیں تارتار ہوئیں،کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں،کتنے بچے یتیم ہوئے،کتنے گھر اجڑ گئے،کتنے بوڑھے ماں باپ کا سہارا چھن گیا،کتنے گھروں اور شہروں پر بمباری ہوئی،اس سب پر پردہ پڑا رہے۔

کابل پر طالبان کے قبضہ کے بعد میڈیا کی طرف سے بتایا گیا کہ بہت خوفناک صورت حال ہے۔قیامت کا منظر ہے اور دلیل کے طور پر صرف کابل ایئرپورٹ کا وہ واقعہ تھا جس میں ایک امریکن ایئرفورس کا جہاز ایک بھیڑ کو لے کر جا رہا تھا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے۔لیکن کیا یہ طالبان کی ذمہ داری تھی؟ کیا کابل ایئرپورٹ اس وقت طالبان کے کنٹرول میں تھا؟

عالم کفر کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ لوگوں کو دھوکے میں رکھا جائے تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔لیکن آج سوشل میڈیا کے ذریعہ ہر فرد براہِ راست خبر حاصل کرلیتا ہے اور پورے پروپیگنڈے کی ہوا نکل جاتی ہے۔طالبان کے افغانستان پر قبضہ سے پہلے کچھ لوگوں کے بالخصوص خواتین کے نام آرہے تھے کہ وہ طالبان کا مقابلہ کریں گی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔جن جن افراد اور گروپوں کی طرف سے مقابلہ کی بات کہی گئی تھی ان سب نے طالبان کو تسلیم کرلیا۔لیکن اگر تسلیم نہیں کیا ہے تو اسلام دشمن طاقتوں نے جن کو یہ کامیابی کسی طرح دیکھی نہیں جا رہی ہے،یہاں تک کہ میڈیا کے وہ افراد جو صاف ستھری صحافت کی بات کر رہے تھے وہ بھی اس حمام میں ننگے ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں کا بغض واضح ہوگیا ہے۔طالبان کی کامیابی نے یہ ثابت کردیا کہ کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے قربانی اور طاقت ضروری ہوتی ہے،اگر آپ کے پاس طاقت نہیں ہے تو دنیا میں نکو بنا کر رکھ دیے جائیں گے،دنیا آپ پر چڑھ دوڑے گی لیکن اگر آپ کے پاس طاقت ہے تو دنیا آپ سے بات چیت کرنے کے لیے آئے گی،دنیا آپ سے معاہدہ کرنے آئے گی۔بغیر طاقت کے معاہدے صرف کاغذوں میں ہوا کرتے ہیں،زمین پر ان کا کوئی نفاذ نہیں ہوتا۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم　　　عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

(ڈاکٹر محمد مبشر خاں)

درسِ قرآن
خبیب احسن فلاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ قَالُواْ لاَ طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاَقُواْ اللّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّهِ وَاللّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ وَلَمَّا بَرَزُواْ لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُواْ رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّهِ ...... (البقرۃ: ۲۴۹-۲۵۱)

ترجمہ: پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ اہل ایمان دریا پار کرکے آگے بڑھے تو انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے،لیکن وہ لوگ جنہیں یہ یقین تھا کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے، انہوں نے کہا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے حکم سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں پر ہمیں فتح عطا کر، آخر کار اللہ کے حکم سے اہل ایمان نے جالوت کے لشکر کو شکست دی......"

مذکورہ بالا آیات سورہ بقرہ سے ماخوذ ہیں، سورہ بقرہ مدنی سورہ ہے اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا ہے اور کمتر حصہ ایسا ہے جو بعد میں نازل ہوا ہے۔ مذکورہ بالا آیات کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدینہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں۔

یہاں جو آیات زیر بحث ہیں ان میں دراصل معرکہ طالوت و جالوت کا تذکرہ ہے جو کہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ یہ موسیٰؑ کے دور کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل اپنی قیمتی چیزوں سے محروم ہو چکے تھے، دشمن ان کی مقدس چیزیں لوٹ کر لے گئے تھے، وہ اپنے دشمنوں سے مغلوب اور ذلیل و خوار ہو کر تباہی و بربادی سے دو چار تھے۔ یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے رب کی ہدایت اور اپنے نبیوں کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تھے، پھر ان کے اندر بیداری پیدا ہوئی، ان کے دل میں عقیدہ جاگ اٹھا اور ان میں جہاد فی سبیل اللہ کا شوق پیدا ہو گیا، انہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا کہ "ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس کی سربراہی میں اللہ کے راستہ میں جہاد کریں۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے علمی اور جسمانی برتری کے ساتھ طالوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر کیا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنی عادت کے مطابق ان کے بادشاہ بنائے جانے پر اعتراض کیا لیکن ان کے نبی نے انہیں مطمئن کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تم پر اس لیے منتخب کیا ہے کہ وہ تم میں علم اور جسم دونوں میں فوقیت رکھتے ہیں اور مزید یہ کہ ان کے امارت کی من جانب اللہ یہ نشانی مقرر کی ہے کہ وہ صندوق (جو کہ ان کا اہم ترین ملّی و قومی ورثہ تھا) تمہارے پاس واپس آجائے گا، اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ قرآن مجید کے انداز بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ معجزہ رونما ہوا اور لوگ یقین سے سرشار ہوئے۔

اس کے بعد طالوت نے ان لوگوں سے اپنا لشکر تیار کیا جنھوں نے فریضۂ جہاد سے روگردانی نہیں کی تھی اور اپنے نبی کے ساتھ کئے ہوئے اپنے عہد کو آغاز ہی میں توڑنے کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی

اس لشکر کے اندر رطب و یابس مخلص وغیر مخلص ہر قسم کے افراد شامل تھے ۔

”تو جب طالوت لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو انھوں نے (لشکر کے لوگوں سے) کہا: اللہ ایک ندی کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے، تو جو کوئی اس ندی کا پانی پیئے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا البتہ اگر کسی کو پینا ہی ہو تو وہ ہاتھ میں لے کر چلّو بھر پانی پی لے ۔۔ وہ میرا آدمی ہوگا، تو تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے ندی کا پانی (خوب) پیا“

اس آزمائش سے طالوت کے لشکر کی ایک حد تک چھان پھٹک ہوگئی اور کمزور لوگ لشکر سے الگ ہوگئے ۔ جب ابتدا میں نکلے تھے تو ہزاروں میں تھے مگر اب تقریباً چند سو وہی رہ گئے جو بالکل پکے اور مخلص اہل ایمان تھے ۔

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

”جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں، انھوں نے کہا: بارہا ایسا ہوا ہے کہ قلیل التعداد گروہ اللہ کے حکم سے کثیر تعداد والے گروہ پر غالب ہوا ہے، اور اللہ صبر و استقامت کی روش اپنانے والوں کے ساتھ ہے ۔“

اس آیت میں طالوت اور ان کے ساتھ مخلص اہل ایمان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ وہ جالوت کے عظیم الشان لشکر جرار کو دیکھ کر ذرہ برابر بھی پیچھے نہیں ہٹے، ان کے اندر کوئی خوف پیدا نہیں ہوا بلکہ محض اللہ کے بھروسہ پر صبر و استقامت اختیار کرتے ہوئے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور تاریخ انسانی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پوری تاریخ انسانی اس بات پر شاہد ہے کہ ہمیشہ صاحب صبر و استقامت قلیل گروہ کثیر تعداد والے گروہ پر غالب آیا ہے ۔ بعد میں مدینہ کے اندر ہی اصحاب رسولؐ نے مختلف غزوات میں اس کی مثالیں پیش کیں، خصوصاً غزوہ بدر میں محض تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ نے ایک ہزار کفار کو شکست فاش دی ۔ یہ سلسلہ اس کے بعد بھی چلتا رہا ہے اور الحمدللہ آج بھی ان دنوں نہتے مخلص مجاہدین دنیا کی سپر پاور طاقت کو شکست فاش دے کر اس کی مثال پیش کر رہے ہیں ۔ اللہ رب العزت انھیں مزید استحکام وقوت عطا کرے ۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

پھر جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے بالمقابل صف آراء ہوئے تو انھوں نے دعا کی: اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے ہمیں ثابت قدم رکھ اور اہل کفر کے مقابلہ میں ہمیں فتح و نصرت عطا فرما ۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ

”بالآخر انھوں نے اللہ کے اذن سے اہل کفر کو شکست دی ۔“

اس آیت میں دوران جنگ اہل ایمان کا نقشہ کھینچا گیا کہ ان کی کیا کیفیات ہیں ۔ فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے حضور دعا گو ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر کی بارش فرما اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہمیں دشمن پر فتح عطا فرما ۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وما صبرک الا باللہ ”تمھیں صبر بغیر اللہ کی توفیق کے نہیں حاصل ہوسکتا“ اس لیے اہل ایمان سے اللہ رب العزت نے صبر کا مطالبہ کیا ہے ۔ مزید سورہ انفال آیت نمبر (۴۵) میں ارشاد فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

”اے ایمان والو! جب دشمن کے کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ڈٹ جاؤ اور اللہ کو خوب یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔“

گویا دشمن سے مقابلہ کے وقت صبر و استقامت کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت سے انتہائی مضبوط تعلق کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اسی کے نتیجہ میں اللہ رب العزت اہل ایمان کو فتح و غلبہ عطا کرتا ہے ۔

●●●

اعلان برائے اشتہار و تعاون

نقوش راہ کو مالی تعاون درکار ہے جس کے لیے آپ اپنے اشتہارات اور مالی تعاون دے سکتے ہیں ۔ تفصیلات کے لئے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں ۔

+91 9156564239

درسِ حدیث

اسامہ عظیم فلاحی

بِسمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذلت کے اسباب اور اس سے نکلنے کا راستہ

قَالَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : (إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ ، سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ) .

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سودی کاروبار کرنے لگ جاؤ گے، بیلوں کی دم پکڑ لو گے، کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تمہارے اوپر ذلت و رسوائی مسلط کر دے گا جو اس وقت تک وہ تم سے دور نہیں کرے گا جب تک کہ تم دین کی طرف پلٹ نہ جاؤ (احمد و داؤد، البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

مذکورہ بالا حدیث امت مسلمہ کی پستی اور ذلت و رسوائی کے اسباب کو بیان کر رہی ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ ذلت و رسوائی کی طرف لے جانے والی وہ چیزیں کیا ہیں۔

سودی کاروبار

حدیث میں عینہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے سودی کاروبار کرنے کے لئے حیلہ بازی کرنا۔ بظاہر تو وہ تجارت دکھے گی لیکن حقیقت میں وہ سودی کاروبار ہوگا۔ مثال سے اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کسی نے ایک لاکھ میں کوئی گاڑی ادھار بیچ دی اور ایک سال بعد اس کو صرف نوے ہزار میں خرید لیا۔ یہ سودی کاروبار کی ایک شکل ہے جس میں غیروں کے ساتھ بدقسمتی سے مسلمان بھی ملوث نظر آتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی جسارت کرتے ہیں۔

بیلوں کی دم پکڑ لینا اور کھیتی باڑی پر راضی ہونا

اس جملے کے ذریعے کھیتی وغیرہ کی مذمت مقصود نہیں ہے بلکہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر اپنی زندگی لگانے اور آخرت سے غافل ہو جانے پر مذمت کی جا رہی ہے۔ کیونکہ دنیا بنانے اور اس میں حد سے زیادہ مصروفیت جہاد کی روح کو ختم کر دیتی ہے۔ قرآن مجید میں اس جانب اہل ایمان کو توجہ دلائی گئی ہے۔

اے اہل ایمان! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں اللہ کے راستے میں نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے تو زمین سے چمٹ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بالمقابل دنیا پر راضی ہو گئے ہو؟ جان لو کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا بہت معمولی چیز ہے (التوبہ:۳۸)

دنیا پرستی کا لازمی نتیجہ بزدلی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور پھر انسان موت سے بھاگنے لگتا ہے جب کہ اس کا وقت اور مقام طے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے مشن کے لئے بنی اسرائیل کو منتخب کیا تھا، ان پر اپنے انعامات کی بارش کی، دنیا پر فضیلت عطاء کی لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی، انبیاء کو قتل کیا، سود خوری کی لعنت ایجاد کی، اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، بالآخر خدائی عذاب کا شکار ہو کر قیامت تک کے لیے ذلیل و خوار بنا دیے گئے۔ ان سب کے پیچھے بنیادی وجہ مادہ پرستی تھی جس کا شکار عوام کے ساتھ ساتھ ان کے علماء بھی ہو گئے تھے۔ قرآن کے الفاظ دیکھیں ”کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے

اورحرام کھانے سے نہیں روکتے ؟ یقیناً بہت ہی برا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔“ (المائدہ: ۶۳) دنیا پرستی ایک خوفناک زہر ہے جس سے کوئی بھی قوم تباہی سے بچ نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے امت مسلمہ کو اللہ اور اس کے رسول نے اس سے بچنے کی بار بار تلقین کی اور یہ بھی بتادیا کہ تمھاری ذلت ورسوائی کس وجہ سے ہوگی۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

”عنقریب دنیا کی اقوام تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح سے بھوکے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔صحابہ کرام نے پوچھا، کیا ہم تعداد میں کم ہوجائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، نہیں، بلکہ تم لوگ تعداد میں بہت زیادہ ہوگے لیکن تمہاری حیثیت سمندر کے اوپر جھاگ کی مانند ہوجائے گی۔صحابہ کرام نے پھر پوچھا، ایسا کیوں ہوگا اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے اندر وہن پیدا ہوجائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے پھر پوچھا۔ یہ وہن کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔“

اس وقت مسلمان اپنی تاریخ کے حساب سے سب سے بڑی تعداد میں ہیں لیکن جس قدر ذلت ورسوائی کا شکار ہیں ایسی ذلت تاریخ میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملتی اور اس کی بنیادی وجہ دنیا پرستی ہے جو نصب العین سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

جہاد ترک کردینا

ترک جہاد کا مطلب اپنی عزت کو ملیا میٹ کرنا ہے۔ترک جہاد کا نقصان صرف آخرت ہی میں نہیں ہوگا بلکہ اس دنیا میں شریعت کا نفاذ ممکن ہی نہیں رہے گا حتی کہ اپنی جان، مال، عزت وآبرو بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

تاریخی طور پر ہم جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اہل ایمان جب بھی دنیا پرستی میں لت پت ہوئے وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہوئے۔ ہلاکو خان کے ذریعے بغداد کی تباہی اور اندلس (اسپین) سے مسلمانوں کا خاتمہ اور پھر ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

موجودہ دور میں ہم دیکھیں تو مسلمان دنیا میں مادی طور پر پہلے کی بنسبت کافی خوش حال ہیں، دنیا کے اہم ترین مقامات ان کے قبضے میں ہیں، قدرتی ذخائر سے مسلم ممالک مالا مال ہیں، لیکن ان کی عزت وآبرو کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ایک مسلم ملک کو تباہ کیا جاتا ہے تو دوسرے ممالک صرف تماشہ دیکھتے ہیں۔دوسری طرف ایسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ ہر قسم کی سہولتوں سے محروم مسلمانوں نے مادہ پرستی سے اپنے آپ کو محفوظ کرکے جہاد کا راستہ اختیار کیا تو انہیں حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی، اس کی تازہ مثال غزہ اور افغانستان ہیں۔غزہ کو پوری دنیا سے کاٹ کر کھلی جیل میں تبدیل کر دیا گیا ہے لیکن تمام طاقت وقوت کے باوجود اسرائیل ان کے جہادی جذبہ کو جھکا نہ سکا۔ افغانستان پر وقت کی عالمی طاقت دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ چڑھ دوڑا لیکن آج 20 سال بعد جہاد کی برکت کے نتیجے میں پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ اسلام کے علمبردار نظام اسلامی قائم کرنے کی پوزیشن میں۔

مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسباب ذلت ہی کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس سے نکلنے کا راستہ بھی بتادیا ہے۔اور وہ راستہ ہے دین کی طرف واپسی۔وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اوامر کو بجالانا اور نواہی سے پرہیز کرنا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مادہ پرستی کے زہر سے محفوظ رکھے اور راہ خدا میں جہاد کی توفیق دے تاکہ ہم دوبارہ عزت وسربلندی کے ساتھ دنیا میں سر اٹھا کر جی سکیں۔آمین

●●●

*

مغرب کے لوگ ہوں یا شمال کے یا جنوب کے، یہ ان کا منصب نہیں کہ وہ ہم کو ہمارا دین اور ہماری تاریخ سکھائیں۔ان کا مقام یہ ہے کہ وہ ہم سے معلوم کریں کہ ہمارے دین وتاریخ کی کون سی حقیقت کیا مفہوم رکھتی ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے ماضی کے کارناموں کا مفہوم ہم خود بیان کریں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے یہاں کی اصطلاحات کا مدعا سمجھائیں۔ ہمارا دین، ہماری تاریخ اور ہمارے نبیؐ کی سیرت کو سرے سے وہ کسوٹیاں قبول ہی نہیں ہیں جو قدیم عیسائی کلیسا یا جدید مادہ پرستانہ تمدن نے وضع کی ہیں۔ہم ان باطل کسوٹیوں پر اپنے سرمایہ ماضی کی جانچ کرکے دکھانے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

(نعیم صدیقی)

افغانستان پر مکمل حکمرانی کے بعد طالبان کا امتحان؟

مسعود ابدالی

بیس سال پہلے افغانستان پر امریکی حملے اور نہتے "طلبہ" کی جانب سے مزاحمت پر تبصرہ کرتے ہوئے ممتاز پاکستانی تجزیہ نگار جناب ارشاد حقانی مرحوم نے اسے Arrogance (تکبر) اور Ignorance (جہالت) کا ٹکراؤ قرار دیا تھا۔ حقانی صاحب کا خیال تھا کہ تکبر سے چُور امریکہ جنگ کے دوران کسی اصول یا ضابطے کی پرواہ نہیں کرے گا اور شوق شہادت سے سرشار جاہل مُلّا جنت کی تلاش میں اپنی جان دے دیں گے۔ معاملہ صرف حقانی صاحب تک محدود نہیں تھا اکثر عسکری ماہرین یہی کہہ رہے تھے کہ معاملہ چند ماہ سے آگے بڑھتا نظر نہیں آتا۔ امریکہ کی ناقابلِ تسخیر ٹیکنالوجی کے آگے توڑے دار بندوقوں سے لیس ان نوخیز نوجوانوں کا ٹھہرنا ممکن نہیں۔

لیکن ان 'جاہل'، 'اجڈ و گنوار ملاؤں' نے بیس سال کی مسلسل صبر آزما جدوجہد کے بعد جارحیت کے طوفان کا رخ موڑ دیا۔ دو ہفتہ پہلے صوبے نمروز کے دارالحکومت زارنج سے شروع ہونے والی پیشقدمی کا اختتام پندرہ اگست کو کابل کے صدارتی محل پر پرچم کشائی سے ہوا۔ غنی سرکار کی جانب سے ہتھیار ڈالنے پر آمادگی کے جواب میں طالبان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ افغان دارالحکومت میں گولی نہیں چلائیں گے۔ افغان طالبان نے اپنے اس عہد کا پاس رکھا اور وہ افغان صدر کے خاتون اول اور قریبی رفقا کے ہمراہ تاجکستان فرار کے بعد ایوانِ صدر میں داخل ہوئے۔ اس سے پہلے طالبان کے ترجمان نے عام معافی کا اعلان کیا جس میں کہا گیا کہ کسی کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ افغانستان ہم سب کا گھر ہے اور امارات اسلامی گھر کے ہر فرد حتیٰ کہ غیر ملکی مہمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی ضامن ہے۔

معافی اور عزت و احترام کا مظاہرہ صوبائی دارالحکومتوں میں داخلے کے وقت بھی پیش آیا۔ ہرات کے رہنما اور مشہور کمانڈر اسماعیل خان نے جب بغیر لڑے طالبان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو مقامی کمانڈر نے انکے محل کے گرد تعینات سپاہیوں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح جب گورنر جناب داؤد لغمانی نے علاقے کو خون خرابے سے بچانے کیلئے ہتھیار ڈالے تو طالبان کے کمانڈر ابوبکر نے لغمانی صاحب کی بڑائی کا اعتراف کرتے ہوئے انکی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جس کے بعد گورنر اور ان کے عملے کو مالِ غنیمت کی ایک بکتر بند گاڑی میں بٹھا کر عزت و احترام کے ساتھ کابل روانہ کر دیا گیا۔ ابوبکر کا کہنا تھا ہم اپنے عزت دار بزرگوں کو جنگی قیدی بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جیسے ہی گورنر صاحب صوبہ وردک کے شہر میدان پہنچے، سرکاری فوج سے انھیں گرفتار کر کے لغمانی صاحب کی مشکیں کس دیں۔ ان پر غداری، دشمن سے ساز باز، دہشت گردوں کی مالی معاونت اور کرپشن کے الزام میں مقدمہ چلایا جائیگا۔ عین حالتِ جنگ میں اُجڈ و گنوار ملاؤں کا دشمن سے حسن سلوک اور گھر واپس لوٹنے پر اپنوں کے ہاتھوں گورنر صاحب کی درگت سے دوسرے گورنروں میں سخت اشتعال پھیلا اور اس کے بعد ہتھیار ڈالنے والے سپاہی انتقام کے خوف سے یا تو روپوش ہو گئے یا انھوں نے امارات اسلامی افغانستان کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔

افغان فوج جس تیزی سے طالبان کے آگے

سرنگوں ہوئی ہے اس کی خود بلنکن کو بھی توقع نہ تھی۔امریکی وزیرخارجہ انتھونی بلنکن نے افغانستان پر طالبان کے قبضے اور کابل میں ملاؤں کے داخلےکوایک دل دہلا دینے والا واقعہ قرار دیا۔ افغان فوج کی کارکردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی وزیرخارجہ نے کہا کہ عسکری ماہرین اس بات کا خطرہ تو ظاہر کررہے تھے کہ انخلا کے بعد افغان فوج، طالبان کا مقابلہ نہیں کر پائیگی، لیکن اعلیٰ تربیت یافتہ اور جدید ترین اسلحے سے لیس ۳لاکھ کالشکر جرار اس تیزی سے تحلیل ہوجائے گا، اس کا ہمیں بالکل اندازہ نہ تھا۔قارئین کی دلچسپی کے لیےعرض ہےکہ افغان فوج کی بھرتی، تربیت اوراسلحے کی فراہمی پر امریکہ نے 10 کھرب ڈالر خرچ کیے ہیں۔

گزشتہ ہفتے کےآغاز سے یہ اشارے مل رہے تھےکہ امریکہ نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا ہے اور اب چچا سام کی واحد ترجیح، پرامن پسپائی ہے۔طالبان کی جانب شاخ زیتون لہراتے ہوئے صدر بائیڈن نے افغانستان پر بمباری روک دینے کا حکم دے دیا۔اسی کی ساتھ امریکی وزیرخارجہ نے ڈاکٹراشرف غنی سےفون پر بات کرتے ہوئے ان سے مستعفیٰ ہونے کی درخواست کی تاکہ پرامن انتقالِ اقتدار کیلئے ایک وسیع البنیاد عبوری حکومت کی راہ ہموار ہوسکے۔کہا جاتا ہے کہ وزیرخارجہ کے بعد امریکی صدر نے بھی اپنے افغان ہم منصب سے بات کی اور ڈاکٹرغنی کو ان کی حفاظت وسلامتی کا یقین دلایا۔امریکہ کے اس دوٹوک مطالبے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے لیے راستے سے ہٹ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔انھوں نے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے جنگجو کمانڈر جنرل عبدالرشید دوستم نے بات کی۔دوستم اپنے آبائی علاقے شبرغن کے بعد مزارشریف ہاتھ سے نکل جانے پر حوصلہ ہار چکے تھے۔گفتگو کے دوران دوستم نے ڈاکٹر صاحب سے بہت سخت و درشت لہجے میں بات کرتے ہوئے انھیں ان ساری خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیا۔دوستم کا کہنا تھا کہ صدر کے منظورِنظر بزدل اور منشیات کے عادی فوجی جرنیلوں نے یہ دن دکھائے ہیں۔دوستم نے صاف صاف کہا کہ اب کابل میں طالبان کے داخلے کو کوئی نہیں روک سکتا۔جنرل دوستم کے اس جواب سے ڈاکٹرغنی کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیااور انھوں نے تھوڑی ہی دیر بعد ایک تقریر ریکارڈ کرا کے اشاعت کے لیےافغان وزارت اطلاعات کے حوالے کردی۔اس خطاب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا:

”عزیز ہم وطنو! مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں فکرمند ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ملک کو مزید افراتفری، تشدد اور خانہ جنگی سے بچانا آپ کے صدر کی اولین ترجیح ہے۔اس ضمن میں میں نے حکومتی مشیروں، عمائدین، سیاسی رہنماوں اور بین الاقوامی اتحادیوں سے تفصیلی مشاورت شروع کردی ہے۔اس بات چیت کی تفصیل جلد عوام کے سامنے پیش کی جائیگی۔میرے لئے افغان عوام کا مزید قتل عام اور معصوم جانوں کا زیاں ناقابل برداشت ہے۔میں نہیں چاہتا کہ ۲۰سالوں میں ہم نے قوم کی تعمیرنو کا جو کام کیا ہے وہ سب اکارت ہوجائے۔

دوسری طرف امریکہ کی ہدایت پر ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے قطر میں طالبان کے نائب امیر ملا عبدالغنی برادر کو مطلع کیا کہ افغان حکومت طالبان کو اقتدار منتقل کرنے پر رضامند ہے۔اس سلسلے میں سابق افغان صدر حامد کرزئی، عبداللہ عبداللہ اور حزب اسلامی کے امیر گلبدین حکمت یار پر مشتمل کمیٹی عبوری اقدامات کو آخری شکل دے رہی ہے۔ کابل سرکار کی جانب سے ہتھیار ڈالنے کی اس یاد دہانی پر طالبان نے اعلان کیا کہ ان کے سپاہی مفاہمتی اقدامات کا احترام کرتے ہوئے بزور قوت کابل میں داخل نہیں ہوں گے۔اس موقع پرطالبان نے عام معافی کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ عفوو درگزر ہماری قابل فخر اقدار کا حصہ ہے۔یہ عظیم الشان کامیابی صرف اور صرف اللہ کی رحمت واستعانت کا نتیجہ ہے۔ہماری کسی افغان سے کوئی رنجش نہیں اور یہ ماضی کو بھول کر آگے بڑھنے کا وقت ہے۔عام معافی کا اطلاق ہر افغان شہری پر ہوگااور اس ضمن میں کوئی استثنیٰ نہیں۔

اتوار ۱۵/اگست کی صبح اپنے ایک بیان میں ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے کہا: سابق افغان صدر ڈاکٹر اشرف غنی اپنی اہلیہ اور قریبی رفقا کے ساتھ تاجکستان چلے گئے ہیں۔اسی کے ساتھ خبر آئی کہ عبدالرشید دوستم ازبکستان فرار ہوگئے ہیں جبکہ افغان پارلیمان کے اسپیکر رحمان رحمانی، یونس قانونی، کریم خلیلی اور استاد محقق کے ہمراہ پاکستان میں سیاسی پناہ لے چکے ہیں، افغان خبر رساں

ایجنسی خامہ کے مطابق ممتاز مجاہد رہنما احمد شاہ مسعود المعروف شیر پنج شیر کے دونوں بھائی سابق نائب صدر احمد ضیا مسعود اور احمد ولی مسعود بھی پاکستان چلے گئے ہیں۔

ڈاکٹر اشرف غنی اور ان کے رفقا کی صدارتی محل سے روانگی کی تصدیق کے بعد طالبان اللہ اکبر وللہ الحمد کا ورد کرتے ہوئے ایوان صدر میں داخل ہو گئے اور عملاً سارے افغانستان پر طالبان کی حکمرانی قائم ہو گئی۔اس پورے معاملے کا قابل اطمینان پہلو یہ ہے کہ بڑے پیمانے کا خوں خرابہ نہ ہوا۔ لوگوں کو ڈر تھا کہ امریکی فوج کے انخلا کے بعد قتل و غارت کا وہی عالم ہوگا جو ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین کی واپسی پر نظر آیا تھا۔ایک بھی معصوم جان کا زیاں ساری انسانیت کا المیہ ہے اور گزشتہ دو ہفتوں کے دوران سینکڑوں بے گناہ مارے جا چکے ہیں لیکن کابل پر قبضے کا مرحلہ پر امن کہا جا سکتا ہے۔کچھ علاقوں سے لوٹ مار کی اطلاعات ملی ہیں جس کے بارے میں طالبان کا کہنا ہے کہ یہ ان کے نام پر مجرم پیشہ لوگوں کی کاروائی ہے۔طالبان نے امن و امان کو یقینی بنانے کیلئے مساجد کی سطح پر امن کمیٹیاں قائم کر دی ہیں جو ان شکایات کا جائزہ لیں گی۔

فی الحال سب سے حساس و نازک مرحلہ افغانستان سے سفارتی عملے اور غیر ملکی شہریوں کا انخلا ہے۔کابل کے سفارتی ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت کابل میں افراتفری اور نفسانفسی کا وہی منظر دکھائی دے رہا ہے جس کا مشاہدہ اپریل ۱۹۷۵ء میں سائیگون (ہو چی منہ سٹی) نے کیا تھا۔اس وقت ویتنام سے امریکی فوج کے انخلا پر امریکی فوج کے ہزاروں سہولت کار امریکی اڈے پر جمع تھے جبکہ باہر ہزاروں کی تعداد میں مسلح ویتنامی چھاپہ مار،غداروں کی ایک سزا، سرتن سے جدا، کے نعرے لگا رہے تھے۔اڈے سے ایک کے بعد ایک دیو ہیکل ہیلی کاپٹر روانہ ہو رہے تھے۔جیسے ہی ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلتا لوگ سوار ہونے کیلئے دوڑ پڑتے جنھیں روکنے کے لیے امریکی میرین کے سینکڑوں جوان تعینات تھے۔کابل میں بھی امریکی سفارتخانے کے باہر قطاریں بنی ہیں لیکن یہاں خوف کا وہ عالم نہیں۔ طالبان عام معافی کے وعدے میں مخلص نظر آتے ہیں اور ۱۶/اگست کو اپنے اقتدار کے پہلے دن طالبان نے عام معافی کی تجدید کرتے ہوئے کہا کہ ماضی فراموش کر دیا گیا،اب کسی کو اپنے ماضی کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

واپس ہوتے یورپی سفارتکاروں کے تحفظ کے لیے امریکی حفاظتی فوج (میرین) کے 3000 اہلکار کابل بھیجے گئے ہیں۔قصرِ مرمریں (وہائٹ ہاؤس) کے ترجمان کا کہنا ہے کہ امریکہ کے 650 فوجی پہلے سے کابل ایئر پورٹ کی حفاظت پر مامور ہیں۔کل صدر بائیڈن نے مزید ایک ہزار جوان کابل بھیجنے کا اعلان کیا ہے۔ برطانیہ نے بھی اضافی دستے کابل میں تعینات کئے ہیں۔ برطانوی وزارت دفاع کے مطابق ان کے 600 سپاہی اپنے 4000 شہریوں کے انخلا کی نگرانی کر رہے ہیں۔

کینیڈا کے وزیر امیگریشن، مارکو مینڈیچینو (Marco Mendicino) نے افغانستان میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے 20 ہزار افغانوں کو اپنے ملک میں پناہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ دارالحکومت اٹاوہ میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فاضل وزیر نے کہا کہ ویزے کے اجرا میں انسانی حقوق کے کارکنان،خواتین رہنماوں،ہم جنس پرستوں،لبرل صحافیوں،حکومت کے اہلکاروں، مترجمین اور نیٹو کے سہولت کاروں کو ترجیح دی جائے گی۔خیال ہے کہ وطن واپس آتے کینیڈا کے سفارتکاروں کے ساتھ ان لوگوں کو کینیڈا لایا جائے گا۔اپنے شہریوں کی بحفاظت واپسی کیلئے کینیڈا نے فوجیوں کا ایک دستہ کابل بھیجا ہے جن کی تعداد نہیں بتائی گئی۔

منگل سے شروع ہونے والے Operation Exodus کی تکمیل ۲۸/اگست تک ہونے کی توقع ہے۔امریکی فوجیوں، برطانوی شہریوں اور غیر ملکی سفارتکاروں کے علاوہ ایک لاکھ کے قریب امریکی فوج کے مترجمین اور سہولت کاروں کو نکالا جائے گا۔کینیڈا جانیوالے 20 ہزار افراد ان کے علاوہ ہیں۔امریکہ آنے والے افغان شہریوں کیلئے امیگریشن کی کاروائی قطر ایئر پورٹ پر ہوگی جہاں امریکی فضائیہ کے 1000 اہلکار تعینات کر دیے گئے ہیں۔امریکہ اور نیٹو ممالک کے لیے انخلا کی یہ کارروائی بے حد اہم اور انتہائی حساس ہے۔دوسری طرف کابل میں داخلے کے ساتھ افغانستان طالبان کے کنٹرول میں آچکا ہے۔ یعنی سفارتکاروں کی حفاظت اب نئے حکمرانوں کی

ذمہ داری ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل، ناروے اور ایستونیا کی ایک مشترکہ قرارداد پر غور کر رہی ہے جس میں بہت صراحت سے کہا گیا ہے کہ: اقوام عالم، امارات اسلامی افغانستان کو تسلیم نہیں کرتیں اور ان کی حکومت کو کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ قرارداد میں افغان شہروں پر طالبان کے حملوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے بھی طالبان کی مذمت کرتے ہوئے زور دیا کہ وہ تنازعے کا سیاسی حل تلاش کرنے کے لیے مذاکرات کی میز پر آئیں۔ رائے شماری سے پہلے قرارداد کے مسودے پر غور ہو رہا ہے۔ غالب خیال ہے کہ قرارداد منظور ہو جائے گی۔

افغانستان کے لیے امریکہ کے نمائندے زلمے خلیل زاد نے دھمکی دی ہے کہ طاقت سے قائم ہونے والی طالبان حکومت کو عالمی برادری Pariah یعنی اچھوت و مردود ریاست سمجھے گی۔

کابل میں طالبان کے داخلے پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانوی وزیر اعظم بورس جانسن نے کہا کہ طالبان حکومت کو تسلیم کرنے میں جلد بازی نقصان دہ ہوگی۔ امریکہ کے قدامت پسندوں نے ایک باقاعدہ مہم شروع کی ہے جس میں انخلا کے فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے مزید امریکی فوج افغانستان بھیجنے اور بمباری کے ذریعے طالبان کی پیشقدمی روکنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ افواہ بھی گردش کر رہی ہے کہ واپس ہونے والے سفارتی عملے کی تحفظ کے لیے جو فوجی بھیجے گئے ہیں انھیں طالبان کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم عسکری ماہرین کا خیال ہے کہ اب بہت تاخیر ہو چکی۔ افغان فوج کی تحلیل، اور جنگجو کمانڈروں کے فرار اور تسلیم کے بعد امریکی فوج کے لیے طالبان کے خلاف نیا آپریشن شروع کرنا اتنا آسان نہیں۔

فوجی کارروائی تو بعید از قیاس نظر آتی ہے لیکن طالبان انتظامیہ کو غیر موثر کرنے کیلئے پابندیوں کا ہتھیار استعمال ہوسکتا ہے۔ ایران، شمالی کوریا اور وینزویلا کو پابندیوں نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اپنی شکست کا بدلہ لینے کیلئے مغرب بائیکاٹ کے ذریعے عالمی سطح پر نئی افغان حکومت کو ویسی ہی سفارتی تنہائی کا شکار کرسکتا ہے جس کا سامنا طالبان کو ۱۹۹۶ء میں تھا جب صرف پاکستان، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے انھیں تسلیم کیا تھا۔

تاہم آج کے طالبان اس وقت سے بہت مختلف ہیں۔ عام معافی، لڑائی سے پرہیز، ہتھیار ڈالنے والے فوجیوں اور رہنماؤں سے باعزت سلوک کے علاوہ علاقائی ممالک یعنی پاکستان، ایران، چین، روس اور وسط ایشیائی ریاستوں سے بہتر تعلقات کے باب میں ان کی کارکردگی بہت اچھی ہے۔ ملا عبدالغنی برادر اور ملا عبدالسلام ضعیف کا سفارتی برادری میں خاصہ احترام ہے۔ فون پر عبدالغنی برادر سے گفتگو کے بعد صدر ٹرمپ نے کہا تھا کہ مدلل گفتگو کرنے والا یہ ملّا بڑا sharp (ذہین) ہے۔

غیر معمولی پیش قدمی سے دنیا پر عسکری استعداد کی دھاک بیٹھ چکی ہے۔ اب طالبان کے صبر، معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کی آزمائش ہے۔

آج طالبان کے نام اپنے پیغام میں ملا عبدالغنی برادر نے کیا خوب کہا:

غرور سے بچو، امتحان تو اب شروع ہوا ہے۔

کامیابی سے پہلے جشن کیسا؟؟

●●●

فارم نمبر چار (4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

یکساں سول کوڈ اور بھارتی مسلمان

احمد اسامہ جعفری

یکساں سول کوڈ (یوسی سی) ایک ایسا کوڈ ہے جس کے ذریعہ الگ الگ مذاہب اور ملتوں کے ذاتی قوانین کو ختم کرکے ایک ملک گیر بلاتفریق مذہب وملت قانون بنانا اور پھر اس کا نفاذ کیا جانا ہے۔

بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی

یکساں سول کوڈ کا جب نام آتا ہے تو صرف ذہن میں بی جے پی اور زعفرانی سیاست کے عنوانات گردش کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اس کی نشونما کانگریس کے صحن میں ہوئی ہے اور اس کی تاریخ دورِ فرنگ میں بھی پائی جاتی ہے۔ ۱۸۲۹ء میں انگریز حکومت نے "ستی" کے متعلق قانون بنایا اور یہیں سے یکساں سول کوڈ کا تصور ہندوستانی معاشرہ اور ایوانِ حکومت میں گردش کرنے لگا۔ اس کے بعد ۱۸۴۰ء میں "لیکس لوکی رپورٹ" میں باقاعدہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی۔ اس میں حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا کہ یکساں قانون تو بنایا جائے مگر پرسنل قوانین کو اس سے علیحدہ رکھا جائے اور مختلف اقوام کے مذہبی قوانین اور کتب کی روشنی میں انہیں مرتب اور نافذ کیا جائے۔

غیر مسلم اقوام کے لئے ہندو قانون کی روشنی میں مشترکہ قوانین بنانے کی کوشش کی گئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے دباؤ کے نتیجہ میں ۱۹۳۷ء میں "شریعت قانون" پاس کیا گیا جس میں وضاحت کی گئی کہ مسلمانانِ ہند کے پرسنل معاملات اسلامی قوانین کے ذریعہ طے ہوں گے۔ اس قانون کی رو سے مسلمانوں کے نکاح و طلاق، نفقہ و وراثت وغیرہ جیسے معاملات اسلامی قوانین کی روشنی میں حل کئے جائیں گے۔

ہندو قوم کے متعلق آزادئ ہند کے بعد ہندوستانی پارلیمنٹ میں ہندو لا کمیٹی کی رپورٹ پر مباحثہ ہوا۔ پنڈت نہرو شدت سے اس بات کے خواہش مند تھے کہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر چونکہ ہندو قوانین کا گہرا مطالعہ کئے ہوئے تھے، اس لئے ان کا خیال تھا کہ ہندو قوانین کا تعلق ایک خاص مسلک سے ہے اور ہندو سماج کی ساخت میں متعدد نقائص موجود ہیں۔ اس لئے وہ بھی یکساں سول کوڈ لانا چاہتے تھے اور اس کے ذریعہ ہندو سماج اور ہندو قوانین کی کمیوں کو دور کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس کوڈ کے نفاذ کا بل دونوں حضرات کی خواہشوں کو تکمیل پر لے جانے کا بہترین راستہ تھا۔ ڈاکٹر راجندر پرساد اور سردار پٹیل اس بل کے مخالف تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اس کے مقابلہ میں ایک ہلکے وزن کا بل چار مختلف دفعات کی شکل میں پاس کیا گیا۔ ساتھ ہی دستور میں دفعہ ۴۴ کے ذریعہ یہ طے کیا گیا کہ "ریاست ملک گیر سطح پر شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کی کوشش کرے گی"۔

تاہم مسلمانانِ ہند کو یکساں سول کوڈ کے لئے تیار کرنے کا مسئلہ ناقابل حل تھا۔ بالآخر ۱۹۸۵ء تک سیکولر اور مسلم مذہبی عناصر کا اس کے متعلق تنازعہ کم ہوتا چلا گیا۔ اس کی وجہ بعض رہنماؤں کا حکومت کے خلاف جانے سے مسلمانوں کو روکنا تھی۔ لیکن ۱۹۸۵ء میں ایک خاتون، جن کا نام شاہ بانو تھا، کو طلاق ہوئی اور ان کا مسئلہ عدلیہ میں زیرِ سماعت آیا۔ آخر میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے شاہ بانو کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے اسلامی قوانین شریعت کے بجائے ہندوستانی فوجداری قانون کو بنیاد بنایا۔ اسی فیصلہ میں سپریم کورٹ نے یکساں سول کوڈ کو تیار کرکے نافذ کرنے کا مشورہ حکومتِ ہند کو دیا۔ اس وقت کی راجیو گاندھی

حکومت نے اس فیصلہ کی تائید کی اور نتیجتاً دسمبر ۱۹۸۵ء کے لوکل انتخابات میں کانگریس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دورانیہ میں مسلمانانِ ہند کی مختلف قومی تحریکات شروع ہوئیں اور ان کی کوششوں سے ۱۹۸۶ء میں "Muslim Woman Act" پاس ہوا۔ اس کے ذریعہ ہندوستانی فوجداری قانون کی دفعہ ۱۲۵ کا اطلاق مسلم خواتین پر سے ختم ہوگیا۔ اس کے پاس کرانے میں کانگریس نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ گرچہ انتخابات سے قبل وہ اس کے خلاف تھی۔ اس کے بعد یکساں سول کوڈ کی حمایت میں کانگریس کچھ خاموش ہوئی مگر سنگھ وادی زعفرانی جماعتیں، لیفٹ اور دیگر مذہبی تحریکات اس کی پرزور حمایتی بنی رہیں۔

مسلم پرسنل لا کے بمبئی کنونشن ۱۹۷۲ء میں جو قرارداد پاس ہوئی اس میں یکساں سول کوڈ کے متعلق واضح الفاظ میں کہا گیا کہ ''اس طرح کے کسی بھی اقدام کا مطلب مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے انحراف پر مجبور کرنا ہوگا۔ جو کسی بھی مسلمان کے لئے کسی بھی حال میں قابل برداشت نہ ہوگا۔''

اکتوبر ۲۰۱۵ء میں سپریم کورٹ نے پھر یکساں سول کوڈ کی اہمیت وضرورت پر زور دیا۔ لیکن اگست ۲۰۱۸ء میں لاکمیشن نے کہا کہ ''یکساں سول کوڈ کی اس وقت نہ ضرورت ہے نہ وہ مطلوب ہے۔'' بی جے پی کے انتخابی منشور ۱۹۹۸ء سے لیکر اب تک کے انتخابی منشورات میں اس کا ذکر رہتا ہے اور اس کو لانے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ تاہم ابھی تک اس میں کامیابی حاصل کرنے میں بی جے پی ناکام رہی ہے۔

ان سیاسی داؤں پیچوں نے اور دستورِ ہند کی مختلف دفعات نے اس کوڈ کے تصور کو ایک معمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ دفعہ ۴۴ میں اس کوڈ کو نافذ کرنے کے لئے مستقل کوششوں کی ہدایت دی گئی ہے اور دوسری جگہ اسی دستورِ ہند کی دفعات ۲۵ و ۲۶ میں مذہب سے متعلق آزادی کی بات ہے۔ دفعہ ۲۵ میں آزادیٔ ضمیر اور مذہب کو آزادانہ قبول کرنے اور اس کی پیروی اور تبلیغ کی آزادی ہے۔ دفعہ ۲۶ میں مذہبی امور کے انتظام کی آزادی تک دی گئی ہے جس میں جائیداد کے امور تک شامل ہیں۔ ساتھ ہی شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں وراثت ووصیت، ہبہ، نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، اوقاف اور نفقہ وغیرہ میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کا حق دیا گیا ہے۔

اس کوڈ کے نقصانات بالکل واضح ہیں

اولاً: آخرت میں ذلت و رسوائی تو مقدر ہوگی ہی۔

دوم: دنیا میں ہم اپنی قومی شناخت، علیحدہ وجود بلکہ امت مسلمہ کی حیثیت میں ایک منفرد مقام اور مرتبے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اسی کا نام غلامی ہے۔ وہی غلامی جو فرعون کے ذریعہ بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی۔ پھر ملکی و دنیاوی حیثیت میں بھی اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں بے شمار مذاہب ہیں اور ان میں بھی بے شمار افکار ونظریات کے حامل مسالک و مکاتب فکر موجود ہیں جن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ کسی کے بھگوان کے جانی دشمن کی دوسرا مسلک پرستش کرتا ہے اور کسی علاقہ میں ماتا کا درجہ رکھنے والی ایک دوسرے علاقہ میں زبان کے چٹخارے لینے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض علاقے تو ملک کی مادری زبان تک کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایسے میں یکساں سول کوڈ کیسے قابل عمل ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اقوام کو غلام بنانے کا طریقہ ہے اور اس کے نتیجہ میں صرف اور صرف انارکی کی طرف ملک کو ڈھکیلا جائے گا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اس کے نفوذ کی ایک شکل ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کا ذکر مولانا مودودیؒ نے ان سطور میں کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

''ہم اپنی تہذیب اور اپنے قومی طریقوں کی حفاظت کے لئے آئینی ضمانتیں لیں گے۔ ہم دستور اساسی میں ایسے تحفظات رکھوائیں گے جن سے اسلامی مفاد پر آنچ نہ آنے پائے۔ بلا شبہ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں۔ مگر شاید آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آئینی ضمانتیں اور دستور اساسی کے تحفظات اور دوسری تمام کاغذی مواثیق صرف اسی قوم کے لئے مفید ہوسکتے ہیں جس میں ایک طاقت ور رائے عام موجود ہو۔ جو اپنے آپ کو سمجھتی ہو، اپنی تہذیب کو جانتی ہو، اس کی خصوصیات کو پہچانتی ہو، اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر ارادہ رکھتی ہو اور منفرداً اور مجتمعاً اس کی طرف سے مدافعت کے لئے ہر وقت سینہ سپر ہو۔ یہ صفات اگر آپ کی قوم میں موجود ہوں تو آپ کو کسی آئینی ضمانت اور کسی دستوری تحفظ کی بھی ضرورت نہیں، اور اگر آپ کی قوم ان صفات سے عاری ہے تو

یقین رکھیے کہ کوئی تحفظ اور کوئی ضمانت ایسی حالت میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ آپ دستورِ اساسی کی ضمانتوں کو زیادہ سے زیادہ خارجی حملوں کے مقابلہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر اندرونی انقلاب کا آپ کے پاس کون سا علاج ہے؟ مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ کل مخلوط تعلیم شروع ہوتی ہے اور آپ کی قوم کے افراد خود اپنی مرضی سے دھڑا دھڑ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط مدارس میں بھیجتے ہیں۔ کون سا دستوری تحفظ اس تحریک کو اور اس کے زہریلے نتائج کو روکنے کے لئے استعمال کیا جائے گا؟ فرض کیجیے کہ سول میرج کے طریقہ پر نکاحوں کا رواج پھیلتا ہے اور آپ کی قوم خود اس تحریک سے متاثر ہو جاتی ہے، کونسی آئینی ضمانت اس کی روک تھام کر سکے گی؟ فرض کیجیے کہ آپ کی اپنی قوم میں پروپیگنڈہ کی قوت اور تعلیم کے وسائل سے ایک ایسی رائے عام تیار کر دی جائے جو قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ پر راضی ہو بلکہ مصر ہو، آپ کی اپنی قوم کے افراد ایسے قوانین کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو اصولِ اسلام کے خلاف ہوں، خود آپ ہی کے ووٹوں کی اکثریت سے ایسی تجویزیں پاس ہو جاتی ہیں جو آپ کے تمدن کو اسلامی مناہج سے ہٹا دینے والی ہوں۔ وہ کون سے ”بنیادی حقوق“ ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ ان چیزوں کو منسوخ کرا سکیں گے؟ فرض کیجیے کہ آپ کی قوم بتدریج ہمسایہ قوم کے طرزِ معاشرت، آداب و اطوار، عقائد و افکار کو قبول کرنا شروع کرتی ہے، اور اپنے قومی امتیازات کو خود بہ خود مٹانے لگتی ہے۔ کونسا کاغذی میثاق اس تدریجی انجذاب کی روک تھام کر سکے گا؟“

(تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ اول صفحہ ۶۲،۶۳)

اس سے بچنے کی کیا راہیں ہو سکتی ہیں، یہ مندرجہ بالا اقتباس سے بہت واضح ہے کہ ہمیں اپنی نئی نسل کو اسلام کی بہ حیثیت دین و شریعت صحیح اور واضح تعلیم مدلل انداز میں کرنی ہوگی تا کہ وہ معاشرے میں اپنا مذہب بتاتے ہوئے فریق مخالف کے نظریات سے متاثر ہونے کے بجائے پورے فخر اور اطمینان و یقین کے ساتھ اپنی مذہبی شناخت کا تعارف کروائے اور سامنے والے کو اس کے گمراہ کن نظریات سے ہٹا کر اسلام کے آغوشِ رحمت میں بھی لا سکے۔

چند معروضات مسلم پرسنل لا کے بمبئی کنونشن ۱۹۷۲ء کی قرارداد کی روشنی میں درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے مسلمانانِ ہند کا یہ موقف واضح الفاظ میں جانا چاہئے کہ شریعتِ اسلامی کے احکام وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں۔ ان میں نہ کوئی کمی ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ ہی کوئی زیادتی ہے جسے کم کرنے کی حاجت ہو۔

۲۔ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کے دین و مذہب کا ایک جز ہے، اور کسی مسلمان کے لئے احکام شرعِ اسلامی سے گریز جائز نہیں۔ اور نہ وہ کسی ایسے فیصلہ کو کسی حال میں قبول کر سکتا ہے جو اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے۔

۳۔ پارلیمنٹ و ریاستی مجالسِ قانون ساز تک یہ بات پہنچا دی جائے کہ وہ شریعتِ اسلامی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا حق نہیں رکھتی ہیں۔ اور کون سے قوانین شرعِ اسلامی کے مطابق یا متعلق ہیں اور کون سے نہیں، اس بارے میں ہر فرقہ اور ہر مسلک کے مستند علمائے شریعت ہی کا فیصلہ آخری اور قطعی حیثیت رکھتا ہے۔

۴۔ ان افراد کی کوششوں سے بیزاری کا اظہار کیا جائے جو پرسنل لا کی اصلاح کے نام پر قانونِ شریعت میں مداخلت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اس تعلق سے ایک شبہ کا ازالہ ضروری محسوس ہوتا ہے۔ پروفیسر طاہر محمود (سابق رکن، لا کمیشن) کہتے ہیں کہ:

”مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی سخت ضرورت ہے۔ مسلمان جسے اپنا قانون سمجھ رہے ہیں وہ دراصل انگریزوں کا تیار کردہ ہے اور بہت ساری جگہوں پر وہ قرآن سے متصادم ہے۔“

یہ جملہ اپنے آپ میں واضح ہے کہ یکساں سول کوڈ کی ضرورت مسلمانوں کے پرسنل لا کو بدلنے کے لئے ہی ہے۔ ایسی اصلاحی کوششوں کے جواب میں مولانا عامر عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

”دشواری یہ ہے کہ جو ترقی پسند حضرات مسلم پرسنل لا میں ”اصلاح“ اور حذف و ترمیم کی بات کرتے ہیں وہ افہام و تفہیم کے علمی انداز کے بجائے پروپیگنڈائی اسلوب زیادہ استعمال کرتے ہیں۔۔۔ کہنے کو یہ حضرات دانشور بھی ہیں اور ترقی پسند بھی، انہیں اپنی بصیرت اور ژرف نگاہی پر ناز بھی ہے۔ مولویوں کو رجعت پسند، تنگ نظر، جامد اور کوتاہ بیں بھی کہتے اور سمجھتے ہیں لیکن

ان کا اپنا حال عملاً یہ ہے کہ نہ دعویٰ واضح ہے نہ استدلال روشن، نہ دلائل میں زور نہ نیت صاف۔ کہیں گے یہ کہ ہم مسلمان ہیں لیکن روش یہ ہوگی کہ قرآن و حدیث سب سے بے نیاز۔"

(مسلم پرسنل لا پر اعتراضات اور ان کے جوابات، صفحہ ۸۰)

۵۔ شخصی اور عائلی قوانین امت کے تشخص، اس کی امتیازی حیثیت اور اس کی تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کے ضامن ہیں اور کوئی مسلمان اپنی ملی انفرادیت، دینی امتیازات اور تہذیبی وثقافتی خصوصیات سے کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوسکتا۔

۶۔ مہذب دنیا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہر تہذیبی اور مذہبی اکائی کو اپنی تہذیب و مذہب کے تحفظ کا نہ صرف پورا پورا حق حاصل ہے بلکہ اگر کسی گروہ کی تہذیبی اور مذہبی خصوصیات کو مٹانے کی کوشش کی جائے تو اسے نسل کشی کا ہم معنی سمجھا گیا ہے۔

۷۔ مسلمانوں کو عائلی و معاشرتی زندگی کے شرعی احکام و آداب سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ پوری طرح شرعی احکام پر عمل کر کے معاشرے کو صالح بنیادوں پر استوار کریں۔

چند ذاتی معروضات بھی ملاحظہ ہوں:

۱۔ اسلام کی تعلیمات کو معاشرہ میں واضح اور پرزور مدلل انداز میں پیش کیا جائے تاکہ اس کے پرسنل لا کی حقانیت اور فطری مزاج سب پر عیاں ہو۔

۲۔ ایک ایسا منظم گروہ جو کہ یکساں سول کوڈ کی مدلل مخالفت کرے اور ساتھ ہی ملت کی تربیت اس انداز میں کی جائے کہ وہ اس گروہ کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑی ہو۔

۳۔ پرسنل لا سے آگے بڑھ کر مکمل اسلامی شریعت کے مدلل مطالبے کی فضا ہموار کی جائے اور اس کے لئے ایک بولڈ اور اقدامی کوشش کی جائے تاکہ کم از کم پرسنل لا کی حفاظت یقینی رہے۔

۴۔ دیگر اقوام کو بھی احساس دلایا جائے کہ یہ مسئلہ مسلمانوں پر ختم نہیں ہوگا بلکہ نمبر سب کا آئے گا۔

۵۔ امت کا بھروسہ علمائے دین پر بحال کیا جائے اور علمائے دین کو رسم شبیری ادا کرنے پر ابھارا جائے۔ وارثین انبیاء کو انبیاء کی طرح قیادت کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور باطل کے مقابلہ میں سخت ثابت ہونا چاہئے۔

۶۔ یہ تصور راسخ نہ ہونے پائے کہ محض زعفرانی سیاست یا سرخ نظام کے علمبردار ہی یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ یہ یاد رکھا جائے کہ نہجہ اور اس کے اکابرین کی بھی دلی خواہش یہی تھی اور ہے، بلکہ یوں کہیں کہ جنون تھا اور ہے۔

۷۔ اپنی صفوں میں اتحاد تو صد فی صد ضروری ہے اور یہ بہت اہم ہے کہ اوپر سے ہم صرف ایک امت نظر آئیں۔ کیونکہ مقابلہ ہارنے کے لئے منتشر ہونا فریق مخالف کے لئے ایک عظیم تحفہ ثابت ہوگا۔

۸۔ اپنے درمیان ایسے لوگوں لو پہچانا جائے جو اس مہم کے خلاف ہوں اور ان کے چہرے سے نقاب نوچ ڈالا جائے۔ ایسے لوگوں کی پہنچ کا اندازہ لگانے کے لئے ایک تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

"مقالہ اجتماع میں پڑھا بھی گیا لیکن اسے پڑھنے کی اجازت جس این و آں کے بعد ملی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری صفوں میں بعض ایسے لوگ گھس آئے ہیں جو چاہتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کے متفق علیہ مسئلہ میں بھی خادمین دین کے مابین ذاتی نوع کی کشمکش پیدا کر دیں اور شریعت کی حمایت میں کوئی بھرپور مشترکہ آواز نہ اٹھ سکے۔"

(مسلم پرسنل لا پر اعتراضات اور ان کے جوابات، صفحہ ۱۶۲)

حقیقت یہی ہے کہ ہم اسلام کو پیش نہیں کریں گے تو سامنے والا چپ چاپ بیٹھا نہیں رہے گا بلکہ اسلام کو ہمارے دل سے کھرچ کر نکالنا چاہے گا۔

"وہ تو چاہتے ہیں کہ جیسے وہ کافر ہوئے ہیں (ویسے ہی) تم بھی کافر ہو جاؤ۔" (سورہ النساء ۸۹)

بیٹھ کر کونے میں خدا کو یاد کرنا ضروری ہے مگر وقت کا تقاضا ہے کہ دعا سے قبل تدبیر بھی اختیار کی جائے۔ دعا کے بغیر کچھ نہیں اور تدبیر کے بغیر دعا بے سود ہے۔ وقت کی نزاکت کو سمجھ کر اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

ایسا نہ ہو کہ ہم شاعرِ مشرق کے ان الفاظ کا مصداق بن جائیں:

یہ مصرع لکھ دیا کسی شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

●●●

شہرِ بغداد کی بنیاد

مرزا اطیب نور بیگ

بنو عباس کے خلیفہ دوم ابو جعفر منصور نے جو ابو العباس سفاح کے بعد تخت پر بیٹھا اور بائیس سال حکومت کی۔ منصور نے اپنے عہد حکومت میں خلافت عباسیہ کی جڑوں کو مضبوط کیا۔ منصور کا بڑا کارنامہ بغداد کی بنیاد ہے۔ خلفائے راشدین کا دار الخلافہ مدینہ تھا اور بنی امیہ کا دمشق۔ منصور نے بنی عباس کا دار الخلافہ بنانے کے لئے دریائے دجلہ کے کنارے 30 جولائی 762ء میں ایک شہر آباد کیا جو بغداد کے نام سے مشہور ہوا۔ آگے چل کر یہ شہر اسلامی دنیا کا سرتاج بنا جسے مدینۃ السلام یعنی سلامتی کا شہر بھی کہا جاتا تھا۔

آگے چل کر بغداد نے ایسی ترقی کی کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ اس کی آبادی بیس لاکھ سے زائد ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ عروج کے زمانے میں بغداد میں سترہ ہزار حمام، اس سے زیادہ مسجدیں اور دس ہزار سڑکیں اور گلیاں تھیں۔

خلیفہ منصور نے اس شہر کو دجلہ کے مغربی کنارے پر گول دائرہ کی شکل میں آباد کیا تھا۔ چاروں طرف فصیل تھی جس میں چار دروازے تھے۔ یعنی باب الکوفہ، باب البصرہ، باب الشام اور باب الخراسان۔

شہر ایک باقاعدہ نقشہ کے تحت آباد کیا گیا تھا۔ وسط میں شاہی محل اور جامع مسجد تھی اور یہاں سے ہر سمت میں سڑکیں نکلتی تھیں۔ بعد میں شہر مشرقی کنارے پر بھی پھیل گیا۔ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا پر کشتی کے کئی پل تھے۔

نہروں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی فراوانی تھی اور باغوں کی کثرت۔ جہاں نہروں کے گندے ہونے کا امکان تھا وہاں ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

کرخ کا محلہ جو چار میل لمبا اور دو میل چوڑا تھا نہ صرف بغداد کا بلکہ دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ یہاں ہر پیشے کے بازار الگ الگ تھے۔ کاغذ اور کتابوں کے بازار بھی تھے۔

بغداد میں کپڑے کی صنعت عروج پر پہنچ گئی تھی۔ یہاں کے کاریگر مختلف رنگوں کے ریشمی کپڑے، باریک ململ اور اونی چادریں بنانے میں نامور تھے۔ زیور، چمڑے، خوشبودار تیل، عطر، صابن اور شیشہ کی صنعت نے بغداد میں خاص طور پر ترقی کی تھی۔

بغداد میں باغوں کی کثرت، شاندار محلات اور کوٹھیوں کے علاوہ پولو کھیلنے کا میدان بھی تھا اور بعد میں ایک چڑیا گھر بھی بن گیا تھا۔ پانی ٹھنڈا کرنے کے لئے برف بھی استعمال کیا جاتا تھا جو شمال کے پہاڑوں سے لایا جاتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے مشہور سیاح مقدسی نے بغداد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

’’یہاں کے باشندے خوش لباس اور شائستہ ہیں۔ ان کا ذہن رسا اور فکر نازک ہے۔ ان میں علم کی گہرائی ہے۔ ہر بڑھیا اور عمدہ چیز یہاں ہے۔ ہر فن اور علم کے ماہر یہاں سے نکلتے ہیں۔ یہ شہر ہر قسم کی نفاست، سلیقہ اور فیشن کا گھر ہے۔‘‘

علم و ادب کی دنیا

بغداد کی عظمت تاریخ میں اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے حکمرانوں کا دار الخلافہ تھا بلکہ بغداد کی عظمت اس لئے ہے کہ وہ اپنے زمانے میں علم و فن اور تہذیب و تمدن کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس زمانے کے علماء جب تک بغداد آ کر وہاں

کے علماء سے تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے وہ اپنے علم کو نامکمل سمجھتے تھے۔ یہاں دنیائے اسلام کے دور دراز حصّوں سے عالم، ادیب اور شاعر علم حاصل کرنے بھی آتے تھے اور اس لیے بھی آتے تھے کہ ان کی یہاں قدر کی جاتی تھی۔

بغداد میں دارالعلوم نظامیہ جوکہ پورا شہر تھا۔ لاتعداد کمرے اور ایک وسیع ہال جس میں دس ہزار انسان سما سکتے تھے۔ کالج میں قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کی تدریس کا پورا انتظام تھا۔ ایک شعبہ اجنبی زبانوں کا تھا جہاں یونانی، عبرانی، لاطینی، سنسکرت اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ تیر اندازی، تیغ بازی اور گھڑسواری کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں بیت الحکمتؑ کے قیام نے علوم وفنون اور دین وادب کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ عباسی عہد میں قرآن و حدیث، فقہ وتفسیر قرآن کے علاوہ تاریخ، ادب، شاعری، فلسفہ، ہیئت، جغرافیہ، ریاضی اور علم طب پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ساتھ ہی دوسری زبانوں یونانی، ایرانی، سنسکرت اور سریانی میں جو کتابیں تھیں ان کا ترجمہ کیا گیا۔

علومِ تاریخ وجغرافیہ میں ابن ہشام کی سیرت النبیؐ، ابن سعد، ابن جریر طبری، مسعودی، ابوالحسن اشعری۔ علومِ حکمت میں محمد ابن موسی الخوارزمی، بنوموسی ابن شاکر، جابر ابن حیان، محمد بن زکریا رازی، یعقوب الکندی، فارابی، ابن قتیبہ اور مزید ایسے ستاروں کے نام آتے ہیں جن کا اس مضمون میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

عباسی دور میں جو عالم اور ادیب پیدا ہوئے ان پر مسلمانوں کو فخر ہے اور وہ اتنے بڑے ہیں کہ آج تک ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ ہمیں اسلام کے متعلق اور اہل یورپ کو سائنس اور دنیاوی علوم کے متعلق جو معلومات فراہم ہوئی ہیں وہ انہیں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔

اہلِ بغداد نے اس قدر کتابیں جمع کی تھیں کہ جب منگولوں نے ان کتابوں کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا تو دریا میں ایک پشتہ سا بن گیا جس پر لوگ پیدل چل سکتے تھے اور دریا کا پانی روشنائی گھلنے سے کالا ہو گیا تھا۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی:

حکمرانوں کی نااہلی، عیش پرستی اور امراء کی غداری کی وجہ سے ۱۲۵۸ء میں خلافت عباسیہ کو منگولوں کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست کے نتیجے میں بغداد کا شہر مکمل تباہ ہوگیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ قتل کر دیا گیا۔ اس کی وفات کے ساڑھے تین سال بعد تک کوئی خلیفہ نہ تھا پھر مستعصم کے چچا ابوالقاسم احمد کو ڈھونڈ کر خلیفہ بنایا گیا۔

(تاریخِ اسلامی میں صرف دو بار خلافت کا سلسلہ ٹوٹا ہے۔ پہلی بار مستعصم کے قتل ہونے پر صرف ساڑھے تین سال کے لئے اور دوسری بار ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر جسے آج تک قائم نہ کیا جاسکا)

عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ مستعصم کو نظر بندی کے دوران جب بھوک لگی اور اس نے کھانا مانگا تو ہلاکو خاں نے حکم دیا کہ ایک طشت جواہرات کا بھر کر سامنے لے جاؤ اور کہو کہ اسے کھاؤ۔ خلیفہ نے کہا ''میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں؟'' ہلاکو خاں نے کہلا بھیجا ''جس چیز کو تم کھا نہیں سکتے اس کو اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا کہ وہ تمہاری طرف سے لڑتے اور ہماری جانیں لیتے؟''

منگولوں کا حملہ ایک ایسی ہولناک خونریزی اور بربادی تھی جس کی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اسلام پر ایسی مصیبت آئی تھی کہ لوگوں نے اس کو قیامتِ صغریٰ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

بغداد کا منگولوں کے ہاتھوں تاراج ہونے کے بعد اسکا مقام و مرتبہ گر چکا تھا۔ اسے وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جو پہلے حاصل تھی۔ یہ دور اب انحطاط کا دور تھا اور اہلِ علم وقلم، علمائے کرام، فقیہ، محدثین، مفسرین، فلسفہ دان اور سائنسدانوں کی تعداد وقت کے ساتھ گھٹنے لگی تھی۔

اس وقت کے مسلم حکمرانوں نے بغداد اور عالم اسلام کی ترقی کے لئے کوئی کام نہیں کیا وہ صرف اپنی سلطنتوں کو وسیع کرنے اور آپسی خانہ جنگی میں مصروف رہے۔ **بغداد جو عالم اسلام کا دل تھا، مدینۃ السلام تھا اس کی شان وشوکت جاہ و جلال قصہء پارینہ بن کر رہ گیا۔**

حرفِ آخر:

یہ حقیقت کس قدر افسوس ناک ہے کہ وہ مسلمان جو ساری کائنات کے لئے معلّمِ کتاب و حکمت بن کر آیا تھا آج جہالت کے دلدل میں ڈوبا ہوا ہے۔

تمام مسلم ممالک میں آج ایک بھی مفکر ومصنف موجود نہیں، معدودے چند کے جو ابنائے زمانہ

کی ناقدری، حکومتوں کی بے اعتنائی، آپسی اختلاف اور خانہ جنگی کی وجہ سے بے بس ہیں۔

تاتاریوں اور عیسائی درندوں نے ہماری کئی کروڑ کتابیں جلادیں۔اور جو بچ گئیں وہ آج لندن، پیرس، ہالینڈ، جرمنی، اسپین اور اٹلی کے میوزیم میں مقفل ہیں۔

اگر صرف اتنا ہی ہوجاتا کہ کوئی مسلم حکومت اپنے اسلاف کے علمی ذخائر ہی جمع کرلیتی تو پھر ان سے استفادہ کے مواقع بھی نکل سکتے تھے۔ لیکن بُرا ہو مغربی تہذیب اور یورپی اقوام کا جس نے نہ صرف ہمیں اپنے بزرگوں کے علوم سے بیگانہ کردیا بلکہ مذہب تک سے متنفر کردیا ہے اور ہم صرف یورپی اقوام کی اندھی تقلید اور اونچی اونچی عمارتیں بنانے کے مقابلوں میں مصروف ہیں۔

یورپ سو دو سو برس تک اسلامی دنیا پر مسلط رہا اس دوران میں وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہر ملک سے کتابیں نکال کر اپنی لائبریریوں میں بھرتا رہا۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب ''یورپ پر اسلام کے احسانات'' میں اپنا ایک واقعہ درج کرتے ہیں کہ:

''۱۹۲۸ء کا ذکر ہے کہ میں نے ایک ہندو سے کپڑا خریدا جب قیمت ادا کرنے لگا تو وہ بول اٹھا: برق صاحب! اگر آپ عربی یا فارسی کی قلمی کتابیں مہیا کرسکیں تو ایک پونڈ فی کتاب کے حساب سے کپڑے کی رقم کم کردوں گا۔میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کتابیں تمہارے کس کام کی؟ کہنے لگا کہ ''میں انگلستان سے براہِ راست کپڑا منگاتا ہوں اور وہاں کے ڈیلر نقدی کی جگہ ایسی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔''

تو یوں ہماری بچی کھچی کتابیں یورپ چلی گئیں اور ہم ان سے محروم ہوگئے۔ وہ لوگ ہمارے علوم کو اساس بنا کر علم و حکمت کے رہنما بن گئے اور ہم ان سے کٹ کر جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے لگے۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جو غلامی ہم پر مسلط ہوئی تھی وہ درحقیقت ہماری صدیوں کی مسلسل مذہبی، اخلاقی اور ذہنی انحطاط کا نتیجہ تھی۔ مختلف حیثیتوں سے ہم روز بروز پستی کی طرف چلے جارہے تھے یہاں تک کہ گرتے گرتے ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں اپنے بل بوتے پر کھڑا رہنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا۔اس حالت میں کسی نہ کسی بلا کو ہم پر مسلط ہونا ہی تھا۔اور ٹھیک قانونِ قدرت کے مطابق وہ بلا ہم پر مسلط ہوئی— بارہویں صدی میں اہلِ بغداد پر اور اٹھارہویں صدی میں اسلامی دنیا پر!

●●●

☼

ہم ماحول کے ساتھ نہیں بدلتے۔فیشن، سٹائل اور نئے ڈیزائنوں کے احساس کمتری میں ہم مبتلا نہیں ہوتے۔''جدت پسندی'' کے Complex کا ہم شکار نہیں۔''یکسانیت'' کی بوریت سے ہم متاثر نہیں ہوتے۔ثقافت ہم نے ادھار نہیں لی۔تہذیب کی بھیک مانگی نہیں۔نقالی ہمارا شعار نہیں۔ہم دنیا کے رنگوں کے مطابق اپنا رنگ نہیں بدلتے۔دنیا کے Trends ہمارا مزاج نہیں بدلتے۔ہمارے ذوق وہ نہیں جس کے اشتہارات کمپنیاں شائع کرتی ہیں۔ہماری تفریح وہ نہیں جس کا اسٹیج حیاء کے سوداگر تیار کرتے ہیں۔ہمارا موڈ، ہماری طبیعت ذاتی وجوہات کی غلام نہیں۔ہمارے Favourites اسکرینوں کے ذریعے متعین نہیں ہوتے۔کسی پوسٹر کی دلکشی ہمارے Fan متعین نہیں کرتی۔ہماری تفریح Enjoyment شیطانی حرکتوں میں نہیں۔ ہم Fresh ہوتے ہیں لیکن اپنی مرضی کو بے لگام کرکے نہیں۔ماحول کی رنگینیاں ہمیں نہیں بدلتیں بلکہ ہم جہاں بیٹھتے ہیں، ماحول ہمارے مطابق بدلتا ہے۔ہم Trends Setters ہیں۔رخصتیں تلاش نہیں کرتے۔عزیمتوں کی راہ اختیار کرتے ہیں۔گنجائش پیدا کرکے اصولوں سے روگردانی نہیں کرتے۔(فاصدع بما تومر) اٹھیں تو اللہ کے لیے پھر کوئی ہمیں گرا نہ سکے۔ہم جھکیں تو اللہ کے لیے تو پھر کوئی ہمیں ہٹا نہیں سکے۔بڑھیں تو اللہ کے لیے تو پھر کوئی ہمیں روک نہ سکے۔ہم جو ڈٹ جائیں تو اللہ کے لیے تو پھر کوئی ہلا نہ سکے۔(فاستقم کما امرت)

(سید محمد اسلم)

معمولاتِ نبویؐ سے ایک دن

شاہد علی پوسد

نبیؐ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے نمونۂ عمل ہے، بحیثیت مومن ہر امتی کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپؐ کے روزمرہ کے معمولات کیا تھے، آپ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے تاکہ صحیح معنی میں آپؐ اطاعت ہوسکے۔

(ا) بیدار ہونے سے اذان فجر تک کا معمول

آپؐ دنیا کی سب سے مصروف ترین شخصیت تھے اس کے باوجود آپؐ نصف شب یا آخری تہائی رات میں بیدار ہوجایا کرتے، آپ سب سے پہلے اللہ کی حمد فرماتے اور دعا کرتے "الحمدللہ الذی احیانا بعدما اماتنا والیہ النشور"۔ اس کے بعد آپؐ قضائے حاجت کے لیے جاتے اور دعا فرماتے اللّٰھم انّی اعوذبک من الخبث والخبائث۔ پھر فارغ ہونے کے بعد آپؐ اللہ کی تعریف اور شکر بجا لاتے اور دعا فرماتے: الحمدللہ الذی اذھب عنّی الاذی وعافانی۔ مسواک کا استعمال معمول تھا۔ آپؐ نے فرمایا، مسواک کرنا انبیاء کی سنت رہی ہے، مسواک کرکے پڑھی جانے والی نماز بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز سے ستر گناہ افضل درجہ رکھتی ہے، مسواک کو منہ کی صفائی اور اللہ کی رضا کا سبب بھی بتایا۔ (متفق علیہ) پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر وضو اچھی طرح سے کرتے، وضو کی فضیلت آپؐ بتاتے کہ قیامت کے روز میں اپنی امت کو پہچان لوں گا کیونکہ وضو کی وجہ سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں جگمگا رہے ہوں گے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ آسمان کی طرف نگاہ کرکے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اللّٰھم اجعلنی من التوابین وجعلنی من المتطھرین، پڑھتے اور فرماتے اس کے لئے جنت کے 8 دروازے کھولے جاتے ہیں جس میں چاہے وہ داخل ہو جائے، اس کے بعد آپؐ کا معمول یہ تھا کہ آپ مصلیٰ پر جاتے اور نماز تہجد اور وتر ادا فرماتے، تہجد کی شروع کی دو رکعت ہلکی اور بقیہ طویل ادا فرماتے، قرات ہلکی آواز سے ہوتی، دعاؤں کا خاص اہتمام فرماتے۔ نماز تہجد کی فضیلت اور اہمیت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں متعدد جگہوں پر آئی ہے۔

(۲) اذان فجر سے نماز فجر تک کا معمول

حضرت بلالؓ کے اذان کا انتظار فرماتے، اذان ہونے پر اسکا جواب دیتے پھر وہی ہلکی دو رکعت سنت ادا فرماتے، اسکے متعلق فرماتے یہ دو رکعت دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور تاکید فرماتے کہ اسے کبھی ترک نہ کرنا، چاہے تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔ لوگوں کے مکانات دور ہونے کی وجہ سے جماعت میں تاخیر ہوتی تو آپ تھوڑی دیر دائیں کروٹ لیٹ کر کچھ دیر کے لیے استراحت فرماتے پھر اس کے بعد مسجد کی طرف نکلتے، دعا فرماتے: اے اللہ میرے دل و زبان، کان و نگاہ، آگے اور پیچھے، دائیں و بائیں، اوپر نیچے ہر جگہ کو منور کر دے۔ پھر مسجد میں سیدھا پیر رکھ کر داخل ہوتے اور دعا پڑھتے "اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک"۔ پھر مسجد میں صفوں کو درست فرماتے اور نماز فجر کی امامت فرماتے، نماز کے اختتام پر فوراً وہیں دائیں جانب مڑ کر بیٹھ جاتے اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر تین بار استغفراللہ پڑھتے۔ ساتھ ہی 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر کا وظیفہ اپنی انگلیوں پر فرماتے اس لئے کہ یہ روز قیامت گواہی دے سکیں، پھر آپ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ 10 بار پڑھتے، اس کے بارے میں آپؐ فرماتے کہ جس نے گفتگو سے پہلے اسے پڑھا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس کے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور دس درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ شیطان سے حفاظت

اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اسے بچا لیا جاتا ہے (متفق علیہ) اسی طرح کچھ اور وظائف کا بھی آپؐ ورد کیا کرتے جو حدیثوں سے ثابت ہیں، جیسے: آیت الکرسی، سورہ اخلاص کی تلاوت وغیرہ۔ پھر دعا فرماتے اللّٰھم انت السلام.... ربی اعنی علی ذکرک.... اللّٰھم لا مانع لما اعطیت....

(۳) بعد نماز فجر سے ظہر تک کا معمول

نماز فجر کے بعد وہیں مصلّی پر پہلے دربار نبوت منعقد ہوتی، اس مجلس میں لوگ اپنی گزری ہوئی رات کے حالات اور اپنے خواب بیان کرتے۔ اسی میں اشراق کا وقت ہو جاتا، سورج نکلنے کے بعد آپؐ دو یا چار رکعتیں نفل ادا فرماتے۔ اشراق کے متعلق آپؐ نے فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز پڑھی پھر وہیں پر رکا اور ذکر واذکار کرتا رہا پھر سورج طلوع ہونے کے بعد دو رکعت ادا کی، تو اس کے نامۂ اعمال میں مقبول حج وعمرہ کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد آپؐ نماز چاشت ادا فرماتے، آپؐ فرماتے کہ جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے جو چاشت پڑھ لے اس کے بدلے ہر جوڑ کا صدقہ قبول ہو جاتا ہے (مشکوۃ)۔ اس کے بعد آپؐ کا معمول ہوتا کہ آپ ناشتہ تناول فرماتے۔ اسکے بعد ساتھیوں سے ملاقات، دعوت دین کے سلسلے میں قافلوں سے ملاقات کرتے یا اگر کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اس کی ترتیب فرماتے، اسی کام میں وقت ہو جاتا تو فرماتے، ظہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے (یعنی دوپہر کا) کھانا کبھی ظہر کے بعد یا ظہر سے پہلے بھی تناول فرماتے۔

(۴) نماز ظہر سے عصر تک کا معمول

ظہر کی اذان کا آپؐ انتظار فرماتے۔ آذان ہونے پر اس کا جواب دیتے اور وضو کر کے چار رکعت سنت گھر ہی پر ادا کرتے، آپؐ سنتوں کے بارے میں فرماتے کہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اس موقع پر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے نیک اعمال اوپر جائیں۔ (بخاری) نماز فجر کی سنت کی طرح ان سنتوں کا بھی بڑا اہتمام فرماتے۔ پھر نماز ظہر کی امامت فرماتے۔ اس کے بعد قیلولہ یعنی تھوڑی دیر آرام فرماتے، اس کا مقصد تازہ دم ہونا ہوتا، آپؐ سفر و حضر دونوں حالتوں میں قیلولہ فرماتے۔ قیلولہ کے متعلق فرماتے، کہ قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا (مشکوۃ)۔

(۵) نماز عصر تا مغرب تک کا معمول

آپؐ عصر کی اذان کا انتظار فرماتے اور اذان ہونے پر جواب دیتے اور چار رکعت سنت ادا فرماتے، اس نماز کے متعلق فرماتے کہ اے اللہ اس پر رحم فرما جس نے یہ چار رکعت ادا کی۔ پھر عصر کی امامت فرماتے۔ اس کے بعد آپؐ تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ کو شرعی احکام سمجھاتے، وعظ و نصیحت کرنا ہوتا تو اسی وقت کرتے اور اسی وقت میں آپؐ گھر میں بھی وقت گزارتے۔

(۶) نماز مغرب سے عشاء تک کا معمول

مغرب کی اذان سے پہلے آپؐ دعا کا بڑا اہتمام فرماتے، اور پھر آذان ہونے پر اس کا جواب بھی دیتے۔ کبھی کبھی مغرب کی جماعت سے پہلے دو رکعت سنت بھی پڑھ لیتے اور پھر جماعت کھڑی ہو جاتی۔ نماز مغرب کے بعد شام کا کھانا تناول فرماتے۔ پھر اذان عشاء کا انتظار فرماتے، اسی دوران آپؐ سورہ واقعہ کی تلاوت فرماتے، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اسکی تلاوت کرے گا اللہ اس کو فاقہ سے محفوظ رکھے گا۔ عشاء سے پہلے سونے پر سخت اعتراض فرماتے اور بھوکا سونے سے منع فرماتے تھے۔ پھر اذان عشاء کا جواب دیتے اور چار رکعت سنت ادا فرماتے، اس کے بعد جماعت کھڑی ہو جاتی۔ عشاء کی نماز کے بعد سونے کی تیاری میں لگ جاتے، بلاضرورت جاگنے سے منع کرتے سوائے یہ کہ اپنے گھر والوں سے ضروری بات کرنا ہو یا کوئی دینی کام کرنا ہو۔

(۷) سوتے وقت کے معمولات

سونے سے قبل آپؐ سورہ سجدہ کی تلاوت فرماتے، سورہ ملک بھی تلاوت کرتے۔ دونوں آنکھوں میں سرمہ لگانے کا اہتمام فرماتے، پھر بستر جھاڑتے اور اس کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے۔ پھر تینوں قل پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور پھر پورے بدن پر تین بار ملتے اور آخر میں سورۃ بقرہ کی آخری آیت کی تلاوت کرتے اور سوتے وقت کی دعا پڑھ کر داہنی کروٹ سو جاتے۔

(۸) کچھ دیگر اہم معمولات نبوی

کھانا کھانے سے پہلے یا فوری بعد پانی نہیں پیتے، تھکاوٹ کے وقت بھی پانی نہیں پیتے۔ اسی طرح غسل کر کے فوری یا پھر پھل کھانے کے بعد فوری پانی پینے سے منع فرماتے کیونکہ یہ صحت کے لئے مضر ہے۔ اسی طرح رات میں دروازہ بند کرنے، چراغ بجھانے، برتن ڈھانپنے اور پانی کے مشک بند کرنے کا حکم دیتے۔ آپؐ فرماتے کہ سال میں ایک رات ایک بیماری زمین پر اترتی ہے اور جو برتن یا پیالہ کھلا ہوا ہوتا ہے اس میں وہ بیماری نازل ہو جاتی ہے (متفق علیہ)۔

اسی طرح سے پاکی وصفائی، خوشبو لگانا، تیل لگانا، ہر کسی کو سلام کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، غریب، نادار، مسکینوں کی اعانت و مدد کرنا آپؐ کے معمولات زندگی میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ معمولات نبوی کے مطابق ہمیں اپنے شب و روز گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ●●●

ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی

مختار احمد مکی

بھوج شالہ کی مسجد کمال مولا:

مدھیہ پردیش کے ضلع دھار میں واقع کمال مولا کی مسجد کو مندر میں تبدیل کرنے کی سازش اب تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ مسجد کمال کا جو تاریخی ریکارڈ موجود ہے اس سے واضح ہے کہ یہاں کبھی کوئی مندر نہیں تھا۔ آر۔ ایس۔ ایس کے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ راج بھوج نے سنسکرت کی تعلیم اور ناچ گانا سکھانے کے لیے بھوج شالہ بنوائی تھی جسے بعد میں مسلمانوں نے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ لیکن آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ذمہ داروں کا یہ کہنا ہے کہ موجودہ شہر دھار کو راجہ بھوج سے کوئی نسبت نہیں ہے اور نہ ہی لندن میوزیم میں رکھی واگ دیوی کی مورتی دھار کے کمال مولا مسجد میں نصب تھی۔ جس انگریز افسر نے اسے برآمد کیا تھا اس کا دستاویزی ریکارڈ بھی موجود ہے جس میں اس نے کہا کہ اسے یہ مورتی بھوج سالہ سے متصل کھنڈرات کے درمیان ملی تھی۔ اس مورتی کے سلسلہ میں جین مت کے لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ یہ نیمناتھ کی یکشی امبیکا کی ہے جو ۲۲ویں تیرتھنکر ہیں۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے قبل ہندو احیاء پرستوں کے ذریعہ بدھ اور جین متوں کے خلاف زبردست تشدد میں یہ تباہ ہوئیں۔

معلوم ریکارڈ کے مطابق ۱۳۰۵ء میں علاء الدین خلجی کے گورنر عین الملک نے ملتان کے صوفی کمال الدین مولا کی درگاہ بنوائی تھی جن کا تعلق نظام الدین اولیاء کے سلسلہ سے تھا۔ وہاں ملے ایک کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ دلاور خان غوری نے ۱۲۹۲ء میں ایک مسجد بنوائی تھی، ممکن ہے اس کی تعمیر میں قریب کے کھنڈرات کے کچھ پتھر استعمال کیے گئے ہوں جس کی بنیاد پر ۱۹۰۲ء میں کاش ناتھ لیلے نے یہ دعویٰ کیا کہ مسجد کے پتھروں پر سنسکرت تحریر ہے اس لیے یہ بھوج شالہ رہی ہوگی۔ ۱۹۰۴ء میں مراٹھا اور برطانوی حکومت نے اس مسجد کو آثار قدیمہ میں شامل کر دیا۔ دھار کی ہندو اسٹیٹ بھی اسے مسجد کمال مولا ہی مانتی رہی اور پابندی سے وہاں نماز ہوتی رہی۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد کے باہر میونسپلٹی والوں نے بھوج شالہ کمال مولا مسجد کا بورڈ نصب کر دیا۔ ۱۹۵۲ء میں ہندوؤں نے اس جگہ پر بھوج دوس منانے کا اعلان کیا۔ جواب میں مسلمانوں نے ۱۹۵۳ء میں عرس کا اہتمام کیا۔ ۱۹۲۸ء ۱۹۲۷ء کے مالگذاری کے ریکارڈ میں اسے مسجد اور درگاہ کا نام دیا گیا ہے۔ ۱۶/جنوری ۱۹۲۶ء کو دھار کے ریوینیو ڈپارٹمنٹ کی جانب سے دھار شہر کا جو نقشہ تیار کیا گیا ہے اس میں بھوج شالہ کے کھنڈرات کو مسجد سے آدھا کلومیٹر دور جانب مغرب میں دھوپ تالاب کے قریب دکھایا گیا ہے۔ ۲۴/اگست ۱۹۳۵ء کو دھار کی ہندو ریاست نے بھی اپنے ایک نوٹیفکیشن میں اسے مسجد قرار دیتے ہوئے وہاں نماز پڑھنے پر کسی پابندی کے نہ ہونے کی بات کہی ہے لیکن ۱۹۵۵ء سے اس میں پانچ وقتی نماز پر پابندی عائد کرتے ہوئے مسلمانوں کو صرف جمعہ کی نماز کی اجازت دی گئی ساتھ ہی ہندوؤں کو بسنت پنچمی کے موقعہ پر پوجا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد جب فرقہ پرست ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے تو

۶/دسمبر ۱۹۹۴ء کو آر۔ایس۔ایس، وشو ہندو پریشد اور ہندو جاگرن منچ وغیرہ کے لوگوں نے مسجد میں گھس کر کیسریا جھنڈا نصب کر دیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں بی جے پی کے مرکزی وزیر مملکت برائے ٹورزم اور کلچر جگ موہن نے آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کو منگل کے دن بھی ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی اجازت دینے کو کہا۔ جس کے نتیجہ میں اب وہ منگل کو بھی پوجا پاٹ کے لیے کھلا رہتا ہے۔ اخبارات اور میڈیا نے وہاں سے مسجد لفظ کو ہٹا کر صرف بھوج شالہ لکھنا اور کہنا شروع کر دیا ہے۔

ہندو راجہ اور منادر

تاریخ کے صفحات اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ ہندو حکمرانوں نے مندروں کو لوٹنے کا کام انجام دیا۔ کچھ کے یہاں تو مندروں کو لوٹنے کا الگ سے باضابطہ محکمہ بھی ہوتا تھا۔ بقول بابو رام نرائن:

سوامی شنکرا چاریہ کے زمانہ میں جین اور بدھ متوں کے خلاف زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس میں ہندو غالب رہے۔ اس وقت کی ہزار ہا جین اور بدھ مت کی شکستہ مورتیاں آج کل لاعلمی سے ہندو مندروں میں زمین کے نیچے دبی ہوئی ہیں جس کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔

خود دیانند سرسوتی کا یہ اعتراف ہے کہ:

اب جتنے بھی بت جینوں کے نکلتے ہیں وہ شنکراچاریہ کے زمانہ میں توڑے گئے تھے۔ جو بغیر ٹوٹے ہوئے نکلتے ہیں وہ جینوں نے ٹوٹنے کے ڈر سے زمین میں گاڑ دیئے تھے۔

بقول کے ایس بھگوان:

شنکراچاریہ نے بدھ مت کی بیخ کنی کے لیے انتہائی بربریت بھرے وحشیانہ اور کمینہ طریقوں کا استعمال کیا۔ یہ کہنا کہ بدھ مت کا قلع قمع اس نے اپنے علم و منطق کے زور سے کیا ایک مہمل سی بات ہے۔ بلکہ اس نے حکمراں طبقہ کی مدد سے بدھوں کا صفایا کر ڈالا۔ جنوب میں پلوا اور مغرب میں چالوکیا حکومتیں برہمنیت کے پس پشت تھیں۔

کے ایم شریمالی (Shrimali) اپنے ایک مضمون کھجراہو کے برج منڈل مندر اور فتح پور سیکری کے اطراف میں جین مندروں کی تباہی کے حالیہ دریافت کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

یہ ہندوؤں کے ہاتھوں ہوئیں۔ لیکن اسے ڈی وی شرما، بی بی لال اور ایس پی گپتا جیسے آثار قدیمہ کے ماہرین اب مسلمان حکمرانوں کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کشمیر کے سابق گورنر جگموہن کا کہنا ہے کہ راجہ اشوک کی موت کے بعد اس کا بیٹا گدی پر بیٹھا تو شمالی ہند میں بدھ ازم کا زور تھا۔ نئے راجہ کے زیر اثر بدھوں کے وہار کو توڑا گیا اور دو نئے ہندو مندر شری نگر میں بنوائے گئے۔ اس کے بعد کے راجہ تانا نے بدھوں کے وہاروں کو جلا ڈالا اور بدھوں کی زمین برہمنوں کو دے دی۔

بقول ڈی وی کوسمبی:

گیارہویں صدی میں کشمیر کے مہارشی ہرش دیو (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء) نامی حکمراں نے مندر لوٹ کا ایک علاحدہ سے محکمہ افسر دیوت پٹنا ئیک کے ماتحت قائم کر رکھا تھا اسے مندروں کو تباہ کرنے والا کہا جاتا ہے۔ جس قدر مال و دولت مندروں سے لوٹا جاتا اس میں سے نصف بطور انعام لٹیرے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور بقیہ کو راجہ خود لے لیتا۔ املاک کے علاوہ دھات کی بنی مورتیوں کو بھی اس نے نہیں بخشا۔ دیوتاؤں کی مورتیوں کو لوٹنے سے قبل اودے راج ننگے بھکشوؤں جن کی ناک اور دت و بازو گل چکے ہوں کے ہاتھ سے ان پر پائخانہ و پیشاب چھڑکواتا۔ مورتیوں کے پیروں میں رسی باندھ کر انہیں سڑکوں پر گھسیٹا جاتا۔

بقول کلہن:

ریاست کے تمام گاؤں، شہر اور قصبہ میں کوئی مندر یا مورتی ایسی نہ تھی جو لوٹی یا توڑی نہیں گئی ہو۔ صرف چار مورتیوں کے بچ جانے کا تذکرہ کلہن کی کتاب میں موجود ہے۔

پوری کا جگن ناتھ مندر ایک آدیباسی عبادت گاہ پر تعمیر کرایا گیا ہے۔ خود سوامی وی ویکانند یہ اعتراف کرتے ہیں کہ پوری کا جگن ناتھ مندر ایک قدیم بدھسٹ مندر پر زبردستی قبضہ کر کے تعمیر کروایا گیا ہے۔ اور بودھ گیا میں راجہ ششانک نے چھٹی صدی عیسوی میں ایک بودھ وہار کو توڑوا کر ہندو مندر تعمیر کروایا جو آج بھی وہاں

موجود ہے۔ جئے سنہا (۱۱۲۸ء تا ۱۱۵۵ء) نے بھی مورتیوں کو توڑا اور مندروں کو لوٹ کر دولت حاصل کی۔ موریوں کے عہد میں جو مورتیاں بنائی گئی تھیں وہ بعد کے موریہ راجاؤں نے حصولِ زر کے لیے پگھلا دیں۔ نریندر گپت نے جب مگدھ پر حملہ کیا تو گیا میں بودھوں کے مقدس بودھی درخت کو کٹوا دیا اور جہاں تک ہوسکا بودھ مت کی بیخ کنی کی۔ کودوم گیلور (Kodumgallur) (کیرالا) کے شری کورمبا بھگوتی (Kurumba Bhagwati) مندر میں آج بھی یہ روایت موجود ہے کہ اس کی سالانہ تقریب میں بڑے پیمانہ پر مرغوں کی بلی دی جاتی ہے۔ اس کے خون کو مندر کے چاروں جانب چھڑکتے ہوئے بدھوں کو گالیاں دی جاتی ہیں کیونکہ یہ مندر بودھ استوپ کو منہدم کر کے تعمیر کیا گیا تھا۔

پرکاش پاترا ہندوستان ٹائمز میں چھپے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

> **مورخین اور اسکالر اس بات پر متفق ہیں کہ اڑیسہ کے مشہور پوری کے جگناتھ بنیادی طور پر ایک آدیباسی دیوتا ہیں۔ جس کی پرستش صدیوں تک کھمبے (لکڑی کا ستون) کی شکل میں ہوتی رہی ہے۔ ناگ اور دوسری علامتوں کی پرستش کرنے والے آدیباسیوں نے یہ خصوصیت جگناتھ سے بھی جوڑ دی۔ بعد کے دنوں میں بدھ مت کے ماننے والوں نے انہیں بدھ سے جوڑ کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ جب بدھ اور جینیوں کے خلاف ہندو احیاء پسندوں کی پرتشدد تحریک شروع ہوئی تو مغربی اڑیسہ کے بدھ وہار میں جن مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی اسے ان لوگوں نے زمین میں گاڑ دیا۔ دسویں صدی عیسوی میں ایک دوسرے بدھ راجہ کو جب یہ مورتیاں ملیں تو اس نے پوری میں ایک مندر کی بنیاد رکھی۔ بعد کے دنوں میں بلبھدر اور سبھدرا کی مورتیاں بھی اس میں شامل کر دی گئیں۔**

تامل پرانوں کی رو سے شیوا دھرم کو جینوں پر مظالم ڈھا کر مضبوطی سے قائم کیا گیا۔ آٹھ ہزار جینوں کو ستونوں کے سہارے کھڑا کر کے ان کے جسم پر میخیں ٹھونک دی گئیں حتیٰ کہ رامانج کو بھی چولاؤں کے ہاتھوں اذیت اٹھانی پڑی۔ رگ وید کے مطابق: آریوں نے داسوں کے بنائے شہروں کو نیا شہر بسائے بغیر تباہ و برباد کر دیا، دریا کے بندھوں کو توڑ دیا لیکن انھیں نہ تو دوبارہ تعمیر کروایا اور نہ ہی زراعت کے لیے نہریں کھدوائیں۔ مزید یہ کہ ہڑپا اور موہن جوداڑو تہذیب کے منادر اور بدھوں کے وہار آخر کہاں گئے؟ پرمار حکمراں سوبھٹ ورمن (۱۱۹۳ء تا ۱۲۳۰ء) نے گجرات پر حملہ کر کے ڈبھوئی اور کھمبات کے تمام جین مندروں کو لوٹ لیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے لیے مندروں کی دولت سے اکثر ہندو حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا۔ اچاریہ چانکیہ نے اپنی کتاب ارتھ شاشتر میں حکمرانوں کو ضرورت کے وقت یا ریاست کے خزانہ میں دولت جمع کرنے اور عوام سے دولت حاصل کرنے کے سیکڑوں طریقے بتائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راجہ ضرورت کے وقت دھوکے سے، چوری کروا کر یا زبردستی مندر میں جمع خزانہ کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے اور اس پر کسی قسم کی جوابدہی نہیں ہوگی۔

اس طرح کسی ایک مندر کی لوٹ ہزاروں گھروں کی لوٹ کے مقابلہ میں زیادہ آسان تھی۔ تاریخ میں ایسے واقعات بھی بھرے پڑے ہیں جب کہ مختلف مذہبی گروہ، مفادی گروہ یا حکمرانوں کے ذریعہ مختلف اسباب، مذہبی جھگڑے، سماجی و معاشی وجہیں (مثلاً قحط، خشک سالی سے متعلق امداد) سیاسی پالیسی یا روحانی ہم آہنگی، تعمیراتی خوبصورتی وغیرہ کی وجہ سے مذہبی یا دوسری نوعیت کی عمارتوں کو بار بار توڑا اور دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندو، بدھ، شیومت، وشنومت اور لنگائیت وغیرہ نے اکثر ایک دوسروں کی مذہبی عمارتوں کو توڑ پھوڑ یا تہس نہس کیا۔ رومیلا تھاپر کے لفظوں میں:

> **کرناٹک کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب کہ شیوا اور وشنو کے ماننے والوں نے بڑی تعداد میں جین کی مورتیوں کو توڑا اور ان کی جگہوں پر اپنی مورتیاں رکھ دیں۔ بدھوں کے وہاروں کو بھی بڑی تعداد میں توڑا گیا۔ ہندوؤں کے مندروں کو بھی بڑی تعداد میں ہندوؤں نے توڑا تاکہ چھوٹے اور غیر ضروری دیوتاؤں کے مقابلہ میں بڑے دیوتاؤں کو ان کی جگہ بٹھایا جاسکے۔ کھجراہو کی حالیہ کھدائی کے بعد ملے سرسوتی، وشنو، جین تیرتھنکروں کی مورتیاں اس کی مثالیں ہیں۔**

●●●

آخری قسط

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

خلیل احمد حامدیؒ

اسرائیل اور سوشلزم

یہ کوئی نیا راز نہیں ہے کہ اسرائیل جب سے وجود میں آیا ہے اُس کی زمام اقتدار سوشلسٹ لیبر پارٹی کے ہاتھ میں رہی ہے۔ یہ پارٹی "مابائی" کے نام سے مشہور ہے اور اسے اُن یہودی عناصر نے تشکیل کیا ہے، جو مشرقی یورپ کی اشتراکی تحریک سے وابستہ ہیں۔ اس پارٹی کا موجودہ سربراہ لیوی اشکول (۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۹ء ناشر) ہے جو اس وقت اسرائیل کا وزیراعظم ہے۔ اس پارٹی کا بنیادی ستون وہاں کی لیبر فیڈریشن (ہسڈورٹ) ہے جس میں اسرائیلی مزدوروں کی مجموعی تعداد کا ۶۵ اور ۷۰ فیصد حصہ شامل ہے۔ بائیں بازو کی ایک اور سوشلسٹ پارٹی بھی ہے جسے "احدوث ہاودا" کہا جاتا ہے جو لیبر یونینوں کے کچھ گروہوں پر مشتمل ہے۔ ایک نئی پارٹی وجود میں آئی ہے جو دراصل

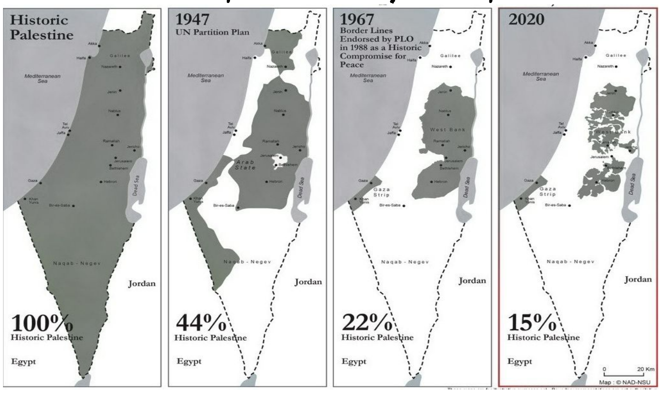

مابائی پارٹی سے الگ ہو جانے والے عنصر نے تشکیل کی ہے، اس کا نام "رافی" ہے اور اس کی قیادت بن گوریان کے ہاتھ میں ہے۔ سب سے خطرناک پارٹی "حیروت" ہے جو بائیں بازو کے انتہا پسند گروہوں کی نمائندہ ہے۔ دوسرے درجہ پر لیبر پارٹی اغودات ہے اور تیسرے درجہ پر "حزب مزاحی" ان تمام پارٹیوں کے قائدین اور مشرقی کیمپ کی حکمراں کمیونسٹ پارٹیوں کے رہنماؤں کے درمیان متعدد وطنی، نسلی، فرقہ جاتی اور مشترکہ مفادات کے رشتے پائے جاتے ہیں۔ دراصل اسرائیل ایک سوشلسٹ اسٹیٹ ہے۔ اسرائیل کے حکمراں وہ لوگ ہیں جو یورپ کے اشتراکی ممالک سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہوئے ہیں۔ اسرائیل کا طویل المیعاد منصوبہ جسے وہ کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا، اس ریاست کی حدود کو فرات سے نیل تک توسیع کرنا ہے۔

اسرائیل کے مہاجرین میں کمیونسٹ ممالک کا تناسب

ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسرائیل کی آبادی کی اکثریت اشتراکی ممالک

کے لوگوں پر مشتمل ہے اور ۲۵ لاکھ کی آبادی میں ان لوگوں کا تناسب یہ ہے:

1,5,60,000	روس اور مشرقی یورپ کے علاقوں سے آنے والے
3,50,000	ایشیائی اور افریقی ممالک سے آنے والے
30,00,000	مغربی یورپ کے مہاجرین
70,000	شمالی اور لاطینی امریکہ کے مہاجرین
2,20,000	عرب ممالک کے یہودی

ماسکو اسرائیل کے بقا کا حریص ہے

ہم علانیہ کہتے ہیں کہ روس نے اسرائیل کے بارے میں جو موقف اختیار کر رکھا ہے وہ سیاسی نقشے کے لحاظ سے اس رویے سے ہرگز مختلف نہیں ہے جس کا امریکہ نے مظاہرہ کیا ہے۔ دونوں اسرائیل کے وجود کو قائم رکھنے کے حریص ہیں۔ دونوں نے مل کر اُس کی صنعتی ترقی میں حصہ لیا ہے اور سرزمین عرب پر اُس کے پاؤں جمانے کی کوشش کی ہے۔ روس اور اشتراکی بلاک اسرائیل کے بقا و دوام کا کیوں شدت سے حریص ہے، اس کے تین بنیادی اسباب ہیں:

اولاً: اسرائیل اشتراکی بنیادوں پر قائم ہوا ہے اور اس کی اکثر آبادی اشتراکی ممالک کے لوگوں پر مشتمل ہے۔

ثانیاً: اسرائیل کا وجود اُن عربوں کو جو اشتراکیت کے ہوا خواہ ہیں، مجبور کرتا رہے گا کہ وہ مشرقی بلاک کی حکومتوں سے تعاون کرتے رہیں اور اس کی تجارتی منڈیوں سے وابستہ رہیں۔

ثالثاً: دوسرے ماذی، سیاسی اور نظریاتی مفادات حاصل کرنے کے لیے۔

عربوں سے روس کی دوستی کی اصل بنیاد

اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اشتراکی ممالک کلاسیک سامراج کی مخالفت کرتے ہیں اور براہِ راست یا بالواسطہ ہر طرح کے وسائل و ذرائع سے اس کے خلاف معرکہ آرا ہیں۔ اِسی پُرفریب پالیسی نے بعض عربوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ اشتراکی ممالک اُن کے حامی ہیں اور صہیونیوں کے چنگل سے واگزاری میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر ۱۹۵۶ء کے حالات و واقعات اور اب جون ۱۹۶۷ء کے واقعات نے یہ مبرہن کر دیا ہے کہ مشرقی کیمپ نے ماسکو کی زیردست اشتراکیت نواز عرب ریاستوں سے جتنے رشتے بھی قائم کیے ہیں وہ اِس بنیاد پر نہیں کیے ہیں کہ اسرائیل کے وجود کو محو کر دیا جائے گا، بلکہ خالص مصلحت پرستی کے نقطہ نظر سے قائم کیے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اشتراکی انقلاب کی دعوت کی اشاعت ہو جائے اور عرب دنیا میں سستے طریقے سے اشتراکی فلسفہ و نظام کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے عرب ممالک کی منڈیوں سے استفادہ کیا جائے۔ خود روسی لیڈر بارہا یہ اعلان کر چکے ہیں کہ وہ عربوں کو جو کچھ امداد دے رہے ہیں وہ اس لیے نہیں کہ اسرائیل کو منہدم کیا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ عرب دنیا میں اشتراکی رجحان کو مضبوط کیا جائے اور عربوں اور اسرائیل کے مابین پُرامن بقائے باہم کی فضا پیدا کی جائے یعنی عرب فلسطین پر یہودی قبضے کو تسلیم کریں اور آئندہ ان میں لڑائی نہ ہو۔

اشتراکی کیمپ کی طرف سے عربوں کی امداد کی حقیقت

بلاشبہ روس اور اشتراکی بلاک نے اشتراکیت زدہ عرب ملکوں کی بھی مدد کی ہے، مگر یہ امرِ واقعہ ہے کہ اس نے مصر، شام اور الجزائر کو آج تک جو امداد دی ہے وہ اُس امداد کا ایک فیصد بھی نہیں ہے جو اُس نے اسرائیل کو دی ہے۔ اسرائیل نے صنعتی ترقی کا قصر روس اور مشرقی یورپ کی امداد سے تعمیر کیا ہے اور عسکری طاقت مغربی بلاک کی امداد سے فراہم کی ہے۔ بخلاف اس کے عربوں نے اشتراکی کیمپ سے جو اسلحہ بھی حاصل کیا ہے اُسے اپنے سرمائے سے خریدا ہے یا پھر اُن قرضوں سے خریدا ہے جو انھوں نے اپنے بعض منصوبوں کی تکمیل کے لیے مانگے تھے اور جو ہر صورت واجب الادا ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عربوں کو جو امداد، اسلحہ اور قرض ملا ہے اُسے تو مشرق و مغرب کے پریس نے خوب اچھالا ہے اور اس کے اعداد و شمار سے دنیا بھر کو اطلاع دی ہے، مگر اسرائیل کو جو امداد دی گئی ہے، اشتراکی کیمپ نے اُسے دانستہ پردۂ راز میں رکھا ہے تاکہ عربوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور عربوں سے اُس کے دوستانہ تعلقات متاثر نہ ہوں، اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے امریکہ اور روس دونوں نے مصر کو اسرائیل پر حملہ کرنے سے روکا تھا، دراں حالانکہ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ اسرائیل ۵/جون کو مصر پر حملہ کرنے والا ہے۔ پھر اس جنگ میں شکست کھانے کے بعد مصر کو

روس سے جتنے ہتھیار بھی ملے ہیں وہ حملہ کے نہیں بلکہ صرف مدافعت کے ہتھیار ہیں، حالانکہ اسرائیل کو مغربی ملکوں سے جو ہتھیار مل رہے ہیں وہ سب کو معلوم ہے کہ حملہ کے ہتھیار ہیں۔مزید براں یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ روس اپنے زیردست اشتراکی عرب ممالک کو سختی کے ساتھ اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اپنے کھوئے علاقے حاصل کرنے کے لیے صرف سیاسی سمجھوتے پر اکتفا کریں اور لڑنے کا نام نہ لیں۔حالانکہ وہ یہ بات خوب جانتا ہے کہ سیاسی ذرائع سے اسرائیل عرب سرزمین کا ایک انچ بھی واپس نہ دے گا۔

اسرائیل کو تیل کہاں سے ملتا ہے؟

ایک خاص پہلو جس پر کسی اہل قلم نے آج تک گفتگو نہیں کی اور نہ ثقہ شہادتوں کی روشنی میں اُسے حل کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ اسرائیل کو پٹرول کہاں سے ملتا ہے اور کیسے ملتا ہے؟ جس طرح مسئلہ فلسطین اور دوسرے عرب مسائل مثلاً اتحادِ عرب وغیرہ کے بارے میں عرب عوام کے ذہنوں میں غلط تصورات بیٹھ چکے ہیں، اسی طرح اسرائیل کے پٹرول کے ذرائع کے بارے میں بھی طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔اس بارے میں ہمیں تین نقطہ نظر ملتے ہیں۔ہر نقطہ نظر کا علم بردار گروہ اطلاعات کے ایسے مآخذ کے بل پر اپنے موقف کی بنیاد استوار کرتا ہے جنھوں نے پچھلے دس سالوں کے عرصہ میں صحیح رہنمائی اور عوام کی تربیت کے بارے میں کوہ قامت غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایران اسرائیل کو پٹرول دیتا ہے، دوسرا گروہ اس رائے کا علمبردار ہے کہ اسرائیل خلیج عربی کی ریاستوں سے پٹرول حاصل کرتا ہے، اور تیسرے گروہ کا جواب یہ ہے کہ صرف امریکی اور برطانوی کمپنیاں ہی صہیونی ریاست کو عربی پٹرول کی سپلائی کرتی چلی آرہی ہیں۔

لیکن ہمارے پاس تین ایسے ثقہ ذرائع ہیں جن کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے امر واقع اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب عراق کا پٹرول جو کرکوک سے حیفا تک پائپ لائن کے ذریعہ جاتا تھا، منقطع کر دیا گیا تو اس کے بعد اسرائیل نے رومانیہ سے پٹرول کی امداد طلب کی کیونکہ رومانیہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔اور رومانیہ اسرائیل کا گہرا دوست سمجھا جاتا ہے۔

اسرائیل کے ساتھ رومانیہ کے مضبوط روابط قائم ہیں اور بے شمار اقتصادی، تجارتی، ثقافتی اور فنی رشتوں میں دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ماسکو کے اشارے پر رومانیہ نے عراقی پٹرول بند ہوتے ہی اپنے دوست اسرائیل کو بافراط پٹرول کی سپلائی جاری کر دی۔(ملاحظہ ہو اقتصادی مطالعہ کے دفتر کی رپورٹ {روم ۱۹۴۹ء})

۱۹۵۵ء میں روس نے اسرائیل کو ۵۰ ملین ڈالر کا قرض اس غرض کے لیے دیا کہ اسرائیل اپنی ضرورت کا تیل روس سے خرید سکے۔یہ اپنی نوعیت کا پہلا قرض تھا جو ماسکو نے ایک بیرونی ملک کو پیش کیا۔(ملاحظہ ہو جنرل فاؤنڈیشن برائے تجارت خارجہ کی رپورٹ {بروکسل ۱۹۵۵ء})

۱۹۶۱ء میں اسرائیل نے تیل کا ذخیرہ کرنے کے لیے اٹلی کی تیل کمپنی امینی سے بھاری بھرکم مقدار حاصل کی، یہ کمپنی مغربی یورپ کی وہ واحد کمپنی ہے جو روس سے تیل درآمد کرتی ہے اور اُسے اٹلی میں اور چند افریقی ممالک میں فروخت کرتی ہے۔

پانچ سال سے اسرائیل نے خود صحرائے نقب سے تیل نکالنا شروع کر دیا ہے۔صحرائے نقب کا تیل اس کی سالانہ ضرورت کا ۳۵۔۴۰ فیصد پورا کر دیتا ہے اور بقیہ ضرورت وہ بیرونی تیل سے پوری کرتا ہے۔(ملاحظہ ہو اقتصادی تحقیقات کے دفتر کی رپورٹ {پیرس ۱۹۶۳ء})

اسرائیل کی سیاست ماسکو کی خواہش سے ہم آہنگ ہے

سیاسی میدان میں اسرائیل مغربی کیمپ سے گہرے تعلقات اور اس سے ہمہ گونہ امداد حاصل کرنے کے باوجود ایسی پالیسی پر گامزن ہے جس کے بنیادی اور اہم نکات روس کی خواہش کی ہمنوائی کرتے ہیں۔اس پالیسی کے تحت اسرائیل نے روس کے حسبِ ذیل مطالبات کو کما حقہ پورا کیا ہے:

۱۔اسرائیل آج تک مغرب کے کسی ایسی سیاسی یا عسکری معاہدے میں شامل نہیں ہوا جو اشتراکی بلاک سے، جس کا قائد ماسکو ہے، متصادم ہوتا ہے۔

۲۔امریکہ کی مخالفت کے باوجود اسرائیل نے چین میں ماوزے تنگ کے نظام کو تسلیم کیا۔

۳۔اسرائیل نے پولینڈ کی نئی حدود کو تسلیم کرلیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جرمنی اپنے مشرقی علاقوں سے مستقل طور پر محروم ہو جائے گا اور وہ علاقے پولینڈ کا حصہ تسلیم کیے جائیں گے۔اسرائیل

کے اس اعتراف سے مغربی یورپ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی ہے اور جرمن حلقوں میں صہیونیوں کے خلاف شدید انتقامی جذبات اُبھر آئے ہیں، کیونکہ پولینڈ کی نئی حدود کو روس اور وارسا پیکیٹ کے ممالک اور اسرائیل کے سوا کسی نے ابھی تک تسلیم نہیں کیا ہے۔

۴۔ اسرائیل ماسکو کے نقشۂ سیاست کی غیر مشروط حمایت کرتا رہتا ہے۔ خاص طور پر برلن کے معاملہ میں اور جرمن قوم کے اتحاد کی مخالفت کے بارے میں۔

۵۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں اسرائیل اشتراکی کیمپ کا ہمنوا رہا ہے۔

۶۔ اسرائیل کی تمام بائیں بازوں کی پارٹیاں اور مزدوروں کی تنظیمیں ان تمام کانفرنسوں میں شرکت کرتی ہیں جو ماسکو، پراگ، صوفیا، بلغراد، بوڈاپسٹ اور وارسا میں منعقد ہوتی ہیں اور پُرامن بقائے باہم اور استعمار اور ان تمام نظریات کی بیخ کنی کے منصوبے بناتی ہیں جو اُن کی نگاہ میں ''رجعت پسندانہ'' ہوتے ہیں۔

روس کی طرف سے پُرامن بقائے باہم کی دعوت

جہاں تک عرب ممالک کا تعلق ہے روس نے پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء کے اوائل میں اس علاقہ میں اپنے اثرات پھیلانے شروع کیے ہیں۔ اس وقت سے روس نے اس علاقے سے متعلق اپنی پالیسی کو سائنٹفک سوشلزم (مارکسزم) کی دعوت اور عربوں اور اسرائیل کے مابین پُرامن بقائے باہم کی بنیاد پر وضع کر رکھا ہے۔ بقائے باہم کے دوسرے معنی اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس سے صلح کر لینے کے ہیں، اور صلح کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ عرب فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کو جائز مان لیں۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ دنیائے عرب میں بقائے باہم کی جو دعوت پھیلائی جارہی ہے اور مختلف عنوانوں سے اس ملعون نظریے کی اشاعت کی جارہی ہے اس کا مقصدِ وحید ایسے ''پُرامن حالات'' پیدا کرنا ہے جو اس دعوت اور نظریے کو بروئے کار لانے میں ممدّ و معاون ہوسکتے ہیں۔ یہ حقیقت خود روسی لیڈروں نے ہر موقع پر واضح کی ہے اور اُن تمام کانفرنسوں میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے جو ماسکو ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۶ء میں منعقد ہو چکی ہیں۔ خروشچیف نے جب ۶ مئی ۱۹۶۴ء کو قاہرہ کا دورہ کیا تھا تو اس نے صدر جمال عبدالناصر کو ''ہیرو آف روس'' کا خطاب دیتے ہوئے صراحت سے کہا تھا:

''سوویت یونین کی حکومت پُرامن بقائے باہم کے اُصول کی پابند ہے اور اس پر قائم ہے، عربوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس علاقے میں امن کی ضمانت فراہم کرنے اور اس علاقے کی تمام اقوام کے ساتھ پُرامن زندگی بسر کرنے کے لیے اس اصول کو اپنی سیاست خارجہ کا محور بنائیں۔ علاقے کی اقوام سے مراد عرب اور اسرائیل ہیں۔''

خروشچیف نے عرب قومیت پر شدید تنقید کی اور کہا:

''اشتراکیت کسی قومی نظریے کو تسلیم نہیں کرتی۔ اشتراکیت مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد کی علمبردار ہے۔۔۔۔''

خروشچیف کے بعد کوسیجن اور بریژنیف اور پڈگورنی نے بھی روس کی اس پالیسی کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ:

''روس پُرامن بقائے باہم کے راستے کا پابند ہے اور اسی بنیاد پر وہ ترقی پسندانہ (یعنی اشتراکی) تحریکوں کا پُرجوش حامی اور موید ہے۔'' (ملاحظہ ہو: روس کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی رپورٹ، مطبوعہ ماسکو، ۹۲ رمارچ ۱۹۶۶ء)

کمیونسٹ حلقوں کی طرف سے آزادیٔ فلسطین کا کبھی مطالبہ نہیں کیا گیا

جو بات عرب عوام کو خاص طور پر معلوم ہونی چاہیے اور جسے عرب پریس نے عوام کو بتانے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی وہ یہ ہے:

الف: جس روز سے اسرائیل کے منحوس وجود نے جنم لیا ہے اس روز سے آج تک ماسکو یا کمیونسٹ بلاک کے دوسرے شہروں میں کمیونسٹ پارٹیوں اور بائیں بازو کی جماعتوں کی جتنی کانفرنسیں اور اجتماعات ہوئے ہیں ان کے پورے ریکارڈ میں کسی ایسی سفارش یا قرارداد کا نشان نہیں ملتا جس میں فلسطین کا ذکر ہو، یا فلسطین کو عرب علاقہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہو، یا فلسطین کی آزادی کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی بھی کوئی سفارش یا اپیل یا قرارداد نہیں ملتی جس میں اسرائیل کے وجود پر کوئی مخالفانہ کلمہ کہا گیا ہو، یا اس کے توسیعی منصوبوں کی مذمت کی گئی ہو۔

ب: ''افریشیائی تنظیم'' کی کانفرنسوں میں بھی جو قراردادیں پاس کی گئی ہیں اُن کی پوری

رودادوں میں ایسی کوئی قرارداد موجود نہیں ہے جو مثبت انداز میں فلسطین کو یہودیوں سے آزاد کرانے کے نظریہ کی حمایت کرتی ہو اور اسرائیل کو استعمار کی تخلیق کردہ غیرہ قانونی ریاست تصور کرتی ہو۔ ’افریشیائی تنظیم‘ نے جس کا مستقل مرکز قاہرہ میں ہے اپنی تمام سفارشات اور قراردادوں کے اندر مسئلہ فلسطین کے بارے میں حد سے حد جو باتیں کہی ہیں وہ اس طرح کے رسمی الفاظ میں ادا کی گئی ہیں:

”عرب پناہ گزینوں کی بحالی کا حق“

”اقوام متحدہ کی قراردادوں کی پابندی“۔

ج: بلگانن، خروشچیف اور کوسیجن، تینوں کے عہد میں عرب حکمرانوں نے روسی زعماء کے ساتھ جتنے سیاسی اور اقتصادی مذاکرات کیے ہیں اور ان کے خاتمہ پر جتنے مشترکہ بیانات جاری کیے گئے اُن میں سے کسی بیان میں آج تک فلسطین کی آزادی کا کبھی ذکر نہیں آیا ہے اور نہ کسی ایسی ذمہ داری کا عہد کیا گیا ہے جس کی رو سے ماسکو فلسطین پر عربوں کے حق کی بحالی کے لیے ان کی مدد کرنے کا پابند ہوتا ہو۔ ان تمام بیانات میں مسئلہ فلسطین کے بارے میں اس سے زیادہ کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے کہ ”فلسطینی عربوں کے حقوق کی حمایت کی جاتی ہے۔“

حمایت کا جو مفہوم ماسکو کے پیش نظر ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ماسکو ان حقوق کی بحالی میں حصہ لے گا یا فلسطین کو یہودیوں سے آزاد کرانے کی موافقت کرے گا، بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت مہاجرین کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔

عرب پریس کا گمراہانہ پروپیگنڈا

جعل سازی، فریب دہی اور تحریف و تضلیل کے ہتھکنڈوں نے عرب تاریخ کے نازک سے نازک مراحل میں بھی انتہائی خطرناک اور نقصاندہ کردار ادا کیا ہے۔ دوسری طرف سیاسی اور نظریاتی تشدد نے اربابِ فکر و سیاست اور آزاد اہل قلم کے حلقوں میں ایسی خوفناک فضا پیدا کیے رکھی ہے کہ حقیقت کی جستجو اور حقیقت کے اظہار کا ہر جذبہ اپنی موت مر گیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہ کہتے ہوئے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ عرب رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں ان لوگوں نے تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دیے ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ عرب پریس سالہا سال عرب عوام کو یہ یقین دلاتا رہا ہے کہ روس نے اپنے عرب اشتراکی دوستوں سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ عربوں پر جب کبھی حملہ ہوگا روس اُسے ناکام کرنے کے لیے عملی اقدامات کرے گا۔ نیز اس نے یہ ذمہ داری بھی اپنے سر لے رکھی ہے کہ وہ فلسطین کی جنگ آزادی میں عربوں کے دوش بدوش شرکت کرے گا۔ مگر ۵ رجون ۱۹۶۷ء کو بلّی تھیلے سے باہر آگئی اور روس کا حقیقی رویہ طشت از بام ہوگیا۔ روس نے اس تباہ کن جنگ میں اسرائیلی جارحیت کو فنا کرنے کے عملی اقدامات کے بجائے صرف کھوکھلے بیانات پر اکتفا کیا۔ ہمیں روس کے اس رویے پر انگشتِ حیرت منہ میں لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور نہ روس کو کوئی ملامت ہی کی جانی چاہیے کیونکہ روس نے عربوں کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کبھی اس بنیاد پر استوار نہیں کیے تھے کہ وہ صہیونیت کی بیخ کنی کے لیے عربوں کی دستگیری کرے گا یا فلسطین کے اندر عربوں کو ان کا حق واپس دلائے گا۔ روس کو بھی مغربی ممالک کی طرح عربوں کی دوستی سے اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ عرب ممالک میں اپنے مفادات کی حفاظت کر سکے اور اپنے سیاسی اثرات کو زیادہ سے زیادہ پھیلا سکے۔ لہٰذا یہ روس کا نہیں بلکہ عرب پروپیگنڈہ بازوں کا قصور ہے کہ انھوں نے خود اپنی ہوا باندھنے کے لیے عرب عوام میں روس کے متعلق بے بنیاد توقعات پیدا کیں۔

۲۔ عرب پریس نے اقوام کے ذہنوں میں دشمن کی طاقت اور اس کی فوجی تیاریوں اور اس کے اقتصادی اور سیاسی حالات کے بارے میں بلا تحقیق غلط اندازے بٹھائے۔ یہاں تک کہ جنگ سے صرف چار ہفتے قبل اس بارے مغالطہ انگیز اور من گھڑت اعداد و شمار شائع کیے جن سے عرب عوام مطمئن ہو گئے کہ اسرائیل شدید اقتصادی بحران میں گھرا ہوا ہے۔ اسرائیل میں بے روزگاروں کی تعداد صرف شہری مزدوروں کے اندر ۹۶ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ اُن یہودیوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے جو اسرائیل سے مغربی یورپ اور امریکہ واپس جا رہے ہیں۔ اسرائیل کی فوج جس کی کل تعداد مردوں اور عورتوں سمیت ۲ لاکھ ہے، اس کے پاس جتنے جہاز، ٹینک اور توپیں ہیں وہ تمام عرب افواج کے مجموعی اسلحہ کے مقابلے میں صرف ۲۰ اور ۲۳ فیصد ہیں۔ ان غلط معلومات اور بے بنیاد اندازوں نے جنگی مہم پر گہرا اثر ڈالا اور عرب اپنے دشمن پر غلبہ پانے

کے لیے ضروری تیاری نہ کر سکے۔

۳۔عرب پریس کے قابو یافتہ پروپیگنڈے نے ایک نقصان یہ بھی کیا کہ ان شخصیتوں کو جو اقوام متحدہ میں فلسطین کے متعلق عربوں کے نقطۂ نظر کی ہمیشہ مخالف رہی ہیں اور ان شخصیتوں کو جن کے اسرائیل کے ساتھ گہرے فکری اور سیاسی روابط رہے ہیں، عرب کا دوست بنا کر متعارف کرایا ہے۔ بے شک عرب قوم کو دوسری اقوام اور افراد کی دوستی کی بے حد ضرورت ہے۔ جن اقوام سے عربوں کی دوستی ہے اُسے مزید ترقی دینا چاہیے لیکن نڈر عرب قوم کو کھو کھلے مظاہر اور خوشنما الفاظ کے دھوکے میں مبتلا کرنا کسی طور پر جائز نہیں ہے۔ امریکہ بلاشبہ عربوں کے مفاد کا دشمن ہے ان سے ضرور ان کو خبردار کیجیے مگر روس بھی عربی مفاد کا حامی اور دوست نہیں ہے۔ اس کے متعلق عربوں کو دھوکے میں رکھنا صریح ظلم ہے۔

۴۔ایک اور اہم پہلو ایسا ہے جس کی طرف عرب عوام کی توجہ مبذول نہیں کرائی گئی، وہ یہ ہے کہ اسرائیل میں اس وقت ایٹمی سائنسدانوں کے درمیان نہایت گہرا تعاون پایا جاتا ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا امریکہ کے چند یہودی سائنسدانوں نے ہی روس تک ایٹمی راز منتقل کیے ہیں۔ اُدھر روس نے سائنسی تحقیقات کے میدان میں اسرائیل کے ساتھ ہر نوعیت کے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور ایٹم کے مشہور یہودی سائنسدان ڈاکٹر لانڈو اور روسی یونیورسٹیوں کے دوسرے اساتذہ کو اسرائیل کے تصرف میں دے رکھا ہے۔

●●●

”قرآنِ حکیم نے سب معاملات میں تحمّل و برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے کسی حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام مسلّط کرنے کے لیے کیا جائے۔ اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم و ستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے، تمھیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے، تمھارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور اس وجہ سے تمھارے درپے آزار ہو کہ تم اسلام کے پیرو ہو، تو اس کے مقابلے میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے اِس ظلم کو دفع کرنے میں صَرف کر دو۔“

(الجہاد فی الاسلام)

”اسلامی نظام زندگی جن لوگوں کو قائم کرنا اور چلانا ہو، انھیں آنکھیں بند کر کے حالات کا لحاظ کیے بغیر پورا کا پورا نسخہ اسلام یک بارگی استعمال نہ کر ڈالنا چاہیے، بلکہ عقل اور بینائی سے کام لے کر زمان و مکان کے حالات کو ایک مومن کی فراست اور فقیہ کی بصیرت و تدبر کے ساتھ ٹھیک ٹھیک جانچنا چاہیے۔ جن احکام اور اصولوں کے نفاذ کے لیے حالات سازگار ہوں، انھیں نافذ کرنا چاہیے اور جن کے لیے حالات سازگار نہ ہوں، ان کو موخر رکھ کر پہلے وہ تدابیر اختیار کرنی چاہییں جن سے ان کے نفاذ کے لیے فضا موافق ہو سکے۔ اسی چیز کا نام حکمت یا حکمت عملی ہے۔“

(ترجمان القرآن/ دسمبر 1954)

●●●

ولاء اور براء

(محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ)

ابوصدف مدنی

ہمارے جدید فکری حلقوں میں زور وشور سے یہ موضوع چھیڑا جاتا ہے کہ آج از سرِ نو ولاء اور براء کے تصورات کی تشریح وتفہیم کی ضرورت ہے۔ کفار سے نفرت اور کتابیہ خاتون سے نکاح کو گری نظروں سے دیکھنے کا رجحان بدلنا چاہیے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ باتیں لبرل ازم کے علم بردار مغربی تہذیب کے دباؤ میں کہے جارہے ہیں، ورنہ ایسا نہیں ہے کہ کہنے والے نے بحث وتحقیق اور دلائل کی تنقیح وتمحیص کے بعد یہ خیالات اختیار کیے ہیں۔

ان حضرات نے ولاء اور براء کے تعلق سے جو کچھ فرمودات پیش کی ہیں ان سب کا مجموعی تقاضا یا تاثر بس یہ ہے کہ کسی طرح اسے کھینچ تان کر لبرل ازم یا شتر بے مہار آزادی کے قریب لادیا جائے۔

قرآنِ کریم نے ولاء اور براء کے جو تصورات دیے ہیں ان کی روشنی میں عقیدے کی بنیاد پر انسانی تعلقات اور رشتوں کا ایک پورا نظام قائم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف مغرب کے لبرل ازم کے فلسفے کے تحت مادہ پرستی کی بنیادوں پر انسانی تعلقات کا نظام قائم ہوتا ہے۔

یہاں قابل لحاظ نکتہ یہ ہے کہ جدید مفکرین کو جس قدر میں پڑھ سکا ہوں، مجھے لگتا ہے کہ یہ لوگ ولاء اور براء کے قرآنی تصور سے ذرہ برابر نہیں ہٹے ہیں، اور اپنے عمل وسلوک میں ولاء اور براء کے وجود کے تعلق سے ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ تبدیلی جو کچھ آئی ہے وہ ولاء اور براء کے محل انطباق اور وجوہِ انطباق کے بارے میں آئی ہے، یعنی وہ موجبات ولوازمات جو کسی انسان کو ولاء یا براء کا مستحق بنادیتے ہیں ان لوگوں کی فکر میں ان کا قلب ماہیت اور ٹرانس فورمیشن ہوگیا ہے اور جن اشخاص اور گروہوں کے ساتھ یہ تعلق استوار کیا جانا چاہیے ان کا جغرافیہ بھی تبدیل ہوگیا ہے۔

ماضی میں لوگ کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کفر کی روش پر چلنے والے ہر شخص سے انسان کو دین کی بنیاد پر بغض وعناد رکھنا چاہیے۔ مگر ہمارے جدید فکری حلقوں میں یہ بات بڑی ناپاک اور مبغوض ہے، اس حد تک کہ اسے کہنے والے کی زبان کالی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اگر انہی لوگوں سے آپ کہیں کہ میں اپنے دیش کے دشمنوں سے قلبی محبت رکھتا ہوں تو یہ تم پر بڑی لعنتیں بھیجیں گے۔ اگر آپ کہیں کہ میں اپنے وطن کے دشمنوں کے ساتھ وفاداری کا تعلق رکھتا ہوں تو یہ اس کو جہالت، وطن سے غداری یا فکری پسماندگی یا انتہاپسندانہ سوچ وغیرہ کچھ ایسا کہیں گے جو ایک مہذب گالی ہوگی۔

اس لیے ہمارے نزدیک مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ شریعت کے بیان کردہ ولاء وبراء کے احکام کے منکر ہوگئے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے ولاء اور براء کے مستحقین کی فہرست از سرِ نو تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے سے علمائے اسلام کہتے آئے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی وہ اساس اور بنیاد ہے جس سے دوری یا نزدیکی کی بنیاد پر کسی کے ساتھ ولاء اور براء کا تعلق استوار کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہمارے جدید مفکرین اب کہتے ہیں کہ وطن یا قوم یا رشتۂ انسانیت یا زبان

وغیرہ بھی وہ مشترکہ بنیادیں ہیں جن پر انسان کو تعلق ولاء یا براء کی عمارت تعمیر کرنی چاہیے۔

یہ ہمارے مطالعے کے مطابق اس مسئلے کا خلاصہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے چشم زدن میں (Instantly) ولاء اور براء کا تصور مٹ گیا۔ فرق بس یہ پڑا ہے کہ اچھے خاصے مسلم ملکوں کے عوام کے ذہنوں میں ولاء اور براء کی بنیاد ذاتِ خداوندی کے بجائے وطن یا زمینی ٹکڑا بن گیا ہے۔ قرآن نے شاید ایسی ہی فکری تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَـٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (اعراف:۱۷۶)

”اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعے اُسے بلندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا۔“

مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ (توبہ:۳۸)

”تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟“

عہد رسالتؐ میں بھی ایک گروہ ایسا تھا جو جہاد کو علاقائی اور وطنی بنیادوں پر کرنے کا قائل تھا، نہ کہ اعتقادی اور دینی بنیادوں پر۔ اس گروہ کے افراد نے گویا جہادِ اسلامی کا انکار نہیں کیا تھا، وہ جہاد کو وطن کے دفاع میں جائز سمجھتے تھے، محض عقیدے کی توسیع و تحفظ کے لیے نہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب کے جہاد کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا:

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (احزاب:۱۳)

”جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو، تمہارے لیے اب ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔ جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں، حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔“

یہی منظر ہے جو آج بار بار دکھائی پڑتا ہے۔

قلب مومن کے لیے یہ بڑا المناک لمحہ ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک زمین کا رابطہ ایمان کے رابطے سے بڑھ گیا ہے اور اب مٹی کی بنیاد پر دوستی و دشمنی اور ولاء و براء کو رواج مل رہا ہے، بلکہ اسے فکری ترقی کی معراج بتایا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس اللہ اور دین و ایمان سے قربت اور دوری کی بنیادوں پر ولاء و براء یا بغض و عداوت رکھنا پس ماندگی کی علامت اور نصوصِ شریعت کو محدود زاویۂ نگاہ سے پڑھنے کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔

معاملے کی تفہیم کے لیے یہ پس منظر بتانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ دراصل دلوں سے عقیدے اور ایمان کی ہیبت ختم ہوگئی ہے اور ذہنوں میں دنیاوی زندگی کی معیاریت رچ بس گئی ہے۔ امریکہ اور یورپ میں بیٹھے مسلم مفکرین کی تحریروں اور خاص کر وہ جن کی بیویاں کتابی ہیں، ان کے یہاں ولاء اور براء کا یہ صریح انحراف زیادہ شدت اور اصرار کے ساتھ پڑھنے اور دیکھنے کو ملتا ہے۔

ولاء اور براء کے بارے میں اگر یہ اربابِ فکر و دانش شرعی موقف جاننا چاہتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ہر کافر و مشرک اپنے کفر و شرک کی وجہ سے اللہ کا دشمن ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ (بقرہ:۹۸)

”تو کہہ دو کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔“

اس نے بتایا ہے کہ وہ اہلِ کفر سے محبت نہیں رکھتا:

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آلِ عمران:۳۲)

”تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ کافروں سے محبت کرنے لگے۔“

بلکہ اسے کفر اور کافروں سے شدید نفرت ہے:

فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا (فاطر:۳۹)

”اب جو کوئی کفر کرتا ہے اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کو ان کا کفر اس کے سوا کوئی ترقی نہیں دیتا کہ ان کے رب کا غضب ان پر زیادہ سے زیادہ بھڑکتا چلا جاتا ہے، کافروں کے لیے خسارے میں اضافے کے سوا کوئی ترقی نہیں۔“

چنانچہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی دوستی اور دشمنی بھی اُس کی دوستی اور دشمنی کے ماتحت اور تابع ہونی چاہیے:

إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا (النساء:۱۰۱)

”بے شک کفار کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔“

مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے دل میں خالق حقیقی سے عداوت رکھنے والے ہر شخص

کے تئیں نفرت اور عداوت کا جذبہ موجزن ہو۔ اگر کوئی ایمان کا دعوے دار اپنے دل میں کفر اور اہلِ کفر کے تئیں یہ نفرت و کراہیت نہیں پاتا تو اسے اپنے ایمان کا جنازہ پڑھ لینا چاہیے کیونکہ اگر اس کے دل میں اللہ سے محبت ہوتی جو کہ ایمان کا لازمی حصہ ہے، تو ناممکن تھا کہ وہ بیک وقت اپنے خالق سے بھی محبت رکھے اور اس کے دشمنوں سے بھی محبت رکھے یا علی الاقل انہیں اپنا دشمن نہ سمجھے۔ البتہ اگر کوئی صاحب ایمان اس قدر جرأت مند ہے کہ وہ کہنے کی ہمت رکھتا کہ اللہ کے دشمن میرے دوست ہیں تو معاملہ دوسرا ہے۔

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ کافر نے چونکہ ہمارے ساتھ محاربہ نہیں کیا ہے اس لیے وہ اللہ کا دشمن بھی نہیں ہے، جس روز وہ ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہوجائے گا اسی روز سے وہ اللہ کا دشمن بن جائے گا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے تو شاید اس کی نگاہ میں اپنی عزت اور حیثیت اسے اللہ کی عزت و کرامت سے زیادہ عزیز، معتبر اور بھاری لگتی ہے۔ کیا عقل رکھتے ہوئے کوئی ایمان والا ایسی بات کہہ سکتا ہے؟

اللہ کے تعلق سے اس سے بڑھ کر جی داری کیا ہوسکتی ہے کہ ایک طرف ہم بہ موجب قرآن یہ اقرار بھی کریں کہ اللہ تمام کفار کا دشمن ہے اور وہ تمام کفار کو پسند نہیں کرتا، مگر عملاً یہ بھی کہیں کہ ہم اپنے رب سے بڑھ کر ہیں، اس لیے ہم بعض کفار سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں اور رکھیں گے۔ اس آیت کریمہ پر تدبر کی نگاہ ڈالیے:

هَاأَنتُمْ أُوْلاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلاَ يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ عَضُّواْ عَلَيْكُمُ الأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آلِ عمران: ۱۱۹)

”تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسولؐ اور تمہاری کتاب کی عظمت کو) مان لیا ہے، مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔“

اس آیت میں جن کفار کا ذکر ہوا ہے وہ بہ ظاہر مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کے رویے پر قائم تھے، بلکہ پُر امن بقائے باہمی میں انتہائی حد تک مبالغہ بھی کر رہے تھے جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ جب ایمان والوں سے ملتے تو خود بھی کہتے کہ ہم ایمان والے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے ساتھ محبت رکھنے پر سرزنش فرمائی اور ان کے ظاہری رویے کی بنیاد پر ان سے محبت کی پینگیں بڑھانے کو جائز نہیں قرار دیا۔

دین کی بنیاد پر براء وولاء کے شرعی اصولوں نے قرنِ اول کے مسلمانوں کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اور کفر وشرک ان کے لیے کس درجہ مبغوض ہوگیا تھا اس کا تھوڑا سا اندازہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کے قول سے کیجیے۔ یہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں اور صحیح بخاریؒ کی روایت کے مطابق ارضِ حبشہ کے بارے میں کہتی ہیں کہ ہم حبشہ میں اجنبیوں اور مبغوضوں کے علاقے میں رہتے تھے۔ [كنا في أرض البعداء البغضاء بالحبشة] (صحیح بخاریؒ: ۴۲۳۰ عن ابی موسیٰ الاشعریؓ)

حالانکہ دیکھا جائے تو اہلِ حبشہ کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ امن و آشتی اور مصالحت کا تھا۔ بلکہ ان سے مہاجرین صحابہ کرامؓ کو بڑا نفع پہنچا۔ قریش کے ظلم وستم سے بچ کر جب یہ لوگ حبشہ پہنچے تو حبشہ والوں نے انہیں سیاسی پناہ دی اور مطالبے کے باوجود انہیں واپس نہیں لوٹایا۔ اس کے باوجود یہ جلیل القدر صحابیہؓ اس علاقے کو دشمنوں اور دُور والوں کی زمین قرار دے رہی ہیں۔ اس کی وجہ بس یہ ہے کہ اس زمانے میں دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح انہیں بھی ولاء اور براء کا قرآنی درس ازبر تھا اور وہ یقین کے ساتھ جانتی تھیں کہ کفر میں ملوث شخص اگر چہ بہ ظاہر مصالحت پر عمل کر رہا ہو، مگر حقیقتاً وہ اللہ کا دشمن ہے اور اس کی نظروں میں مبغوض ہے۔

ایک موقعے پر آنحضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس اس مقصد سے بھیجا کہ باغاتی پیداوار کا اندازہ لگا کر محصول تقسیم کر دیں۔ یہودیوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ مذہبی بے گانگی کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کریں گے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے ان سے جو الفاظ کہے تھے انہیں امام احمدؒ نے سندِ صحیح کے ساتھ اپنی مسند میں محفوظ کر دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ:

”اے یہودیو، تم خلقِ خدا میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔۔۔اس کے باوجود تم سے میری نفرت مجھ سے یہ نہیں کرا پائے گی کہ میں تم پر ظلم کروں۔“ [يا معشر اليهود أنتم أبغض الخلق إلي---وليس يحملني بغضي إياكم على أن أحيف عليكم]

(مسند احمدؒ: ۳/۳۶۷/۱۴۹۴۳ بہ روایت جابرؓ)

خیبر کے یہودی معاہد کفار تھے، محاربین کے زمرے میں نہیں آتے تھے، اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علانیہ ان سے اپنی برأت اور عداوت کا اظہار کیا۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت میں کفار سے - چاہے وہ معاہد کیوں نہ ہوں - بغض ونفرت کی بہت ساری مثالیں بہ آسانی مل جائیں گی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے بعض مفکرین اس شرعی اصول سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں کہ ولاء اور براء کا یہ پورا فلسفہ وہابیوں کا گھڑا ہوا ہے۔ وہابی تحریک سے متاثر بنیاد پرست مولویوں نے اپنے من سے یہ احکام تراش لیے ہیں اور دنیا بھر میں کفر اور کفار سے نفرت کا بیج انہی وہابی تنگ نظروں کا بویا ہوا ہے۔

دراصل یہ ایک آزمودہ کار بہانہ ہے جس کے ذریعے کسی بھی دینی یا شرعی اصول کو بہ آسانی رد کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر کفر اور اہلِ کفر سے تنفر کا یہ قاعدہ یا اصول اہلِ سنت والجماعت کے چاروں فقہی مسالک میں بالاتفاق موجود ہے۔ یہ مسئلہ ’’وہابڑوں‘‘ کے گھر کی ایجاد واختراع نہیں ہے۔

امام سرخسیؒ حنفی نے لکھا ہے:

’’ہر مسلمان کے شایانِ شان ہے کہ یہودیوں سے نفرت میں اس درجے تک پہنچ جائے۔‘‘ [وھکذا ینبغی لکل مسلم أن یکون فی بغض الیھود بھذہ الصفة]

(المبسوط، سرخسیؒ: ۲۳/۷)

امام قرافیؒ مالکی نے بعض اوامر شرعیہ کے ضمن میں لکھا ہے:

’’مومنوں سے محبت اور کافروں سے بغض اور رب العالمین کی تعظیم وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔‘‘ [حب المؤمنین وبغض الکافرین وتعظیم رب العالمین وغیر ذالک من المأمورات]

(الفروق، قرافی، تحقیق: عبدالقیام: ۱/۴۱۹)

ابن الحاج مالکی فقیہ لکھتے ہیں:

’’ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ کی خاطر اس کے ساتھ کفر کرنے والوں سے بغض رکھے۔‘‘ [واجب علی کل مسلم أن یبغض فی اللہ من یکفر بہ] (المدخل، ابن الحاجؒ: ۲/۴۷)

شیخ علیشؒ مالکی لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں کے دلوں میں کافروں سے بغض ہونا ایک فطری امر ہے۔‘‘

[نفوس المسلمین مجبولة علی بغض الکافرین]

(منح الجلیل شرح مختصر خلیل، علیش، تحقیق: عبدالجلیل عبدالسلام: ۳/۹۸)

فقہائے شوافع کے یہاں سب سے معتبر کتاب ’’الاقناع‘‘ میں لکھا ہے:

’’کافر سے مودت حرام ہے۔‘‘ [وتحرم مودة الکافر]

(الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع، شربینی، تحقیق: علی معوض: ۲/۵۴۲)

امام عز بن عبدالسلامؒ شافعی فرماتے ہیں:

’’کفر کے ذریعے کافر نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہوگیا اور اس سے بغض رکھنا واجب ہوگیا۔‘‘ [جنایته علی أمر نفسه بالکفر أخرته وأوجبت بغضه]

(قواعد الاحکام، عز بن عبدالسلام، تحقیق: نزیہ حماد وعثمان ضمیریہ: ۱/۱۰۳)

علامہ عبدالرحمن سعدیؒ جن کی تصویر بعض لوگ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ بڑے روشن خیال فقیہ تھے اور ان کے فتوؤں میں عصری آگہی اور فکری شعور بہ درجہ اتم ملتا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ مغربی ذوق ومزاج کے کافی قریب ہیں، انہوں نے بھی اللہ پر ایمان رکھنے اور کافر سے نفرت کرنے کے تلازم کو ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

’’ایمان کا تقاضا ہے کہ مومنوں سے محبت کی جائے اور ان کے ساتھ موالات قائم رکھی جائے اور کافروں سے بغض وعداوت کا رویہ اختیار کیا جائے۔‘‘ [الایمان یقتضی محبة المؤمنین وموالاتھم وبغض الکافرین وعداوتھم]

(تیسیر الکریم الرحمن، عبدالرحمن سعدی، تحقیق: عبدالرحمن اللویحق: ص ۲۲۸)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے چاروں متداول فقہی مسالک کے یہاں کافر سے قلبی محبت کی ممانعت پر مشتمل تصریحات اور حوالے بہ کثرت مل جاتے ہیں۔ ایسے میں کسی کا یہ دعویٰ کہاں تک درست ہوسکتا ہے کہ کفار سے نفرت اور بغض کا خیال سب سے پہلے وہابیوں نے پھیلایا ہے اور اب ’’انٹرفیتھ ڈائیلاگ‘‘ (بین المذاہب مکالمے) کے دور کا آغاز ہوتے ہی اس فکر کا زمانہ ختم ہوگیا ہے۔ اب کیا یہ مانا جائے گا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان سب کے سب وہابی تھے؟ یا یہ مانا جائے گا کہ یہ ایک شرعی اصل ہے جسے وہابیت کا لیبل چسپاں کرکے بدنام کیا جارہا ہے؟

●●●

آزمائش کا نیا دور خود نمائی ہے

پرویز نادر

ہر زمانے اور ہر دور میں حق اور باطل کے معیارات ایک ہی ہوتے ہیں لیکن بدلتے دور اور تقاضوں کے تحت باطل اپنے انداز بدلتا رہتا ہے مگر مزاج وہی پرانا ہوتا ہے۔ مولانا عامر عثمانیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ہزار جدت طرازیوں کے لباس بدلا کرے زمانہ
مگر یقیناً رہے گا عامر مزاج باطل وہی پرانا

راہ حق کے مسافروں کو یوں تو باطل ہر طریقے سے آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کر کے اور پر فریب پیشکش و دنیا کی رنگینیوں میں گرفتار کر کے جادہ حق کے ذریعے منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی ارادوں کو مضمحل اور حق کی راہ سے دور کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر آزمودہ طریقے میں سب سے زیادہ کارگر اور کامیاب طریقہ اور اہل ایمان اور راہِ حق کے مسافروں کے لیے سب سے مہلک خطرہ آج کے جدید دور میں انٹرنیٹ اور اس کے ذریعے نام و شہرت کی لذت ہے۔

اس کے لئے لفظ حرص و چاہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن کسی چیز کے نا ملنے سے اس کی چاہ سے بڑھ کر اس چیز کو پانے کی خاطر میعاری و غیر میعاری، جائز و ناجائز ہر راستہ اختیار کرنا اور اسی کی خاطر دوڑ دھوپ کرنا اس کی لذت کا احساس دلاتا ہے۔

(آزمائش نمبر 1)......درج بالا سطور میں انٹرنیٹ کا ذکر کیا گیا، جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک گلوبل ویلیج ہے، جو واقعی ضرورت کے تحت انسانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے لیکن انٹرنیٹ کے ذریعے آج جتنے پلیٹ فارم اور سوشل سائیٹس متعارف کروائے جاچکے ہیں وہ ایک جانب مفید ہیں تو دوسری طرف ان میں اخلاق و کردار کو تباہ کرنے کا مکمل سامان بھی موجود ہے۔ دوسرے معنی میں کہا جائے تو یہی چیزیں تحریکی افراد کے لیے حق کی راہ میں مہلک خطرہ اور ان سے بڑھ کر عام نوجوانوں کے لیے سم قاتل ہے۔

انسان کو جتنا موبائل اور انٹرنیٹ نے متاثر اور ہیپناٹائز کیا ہے، تخریب کاری اور کردار کشی کے آج تک جتنے ذرائع و وسائل آئے ہیں ان سب پر موبائل اور انٹرنیٹ نے سبقت حاصل کر لی ہے۔ عشرت کدوں اور آئینہ خانوں کا پرانا نظام اس رنگین و حسین ہاتھوں میں سمانے والی چھوٹی سی مشین کے آگے ہیچ نظر آتا ہے۔ یقین جانیے آج حسن بن صباح جیسا انسانی نفسیات اور نبض دیکھ کر وار کرنے والا شاطر دماغ جس نے ملت اسلامیہ کو عظیم خسارے سے دو چار کیا تھا، اگر وہ بھی ہوتا تو ان تکنیکی آلات اور ٹیکنالوجی کے سامنے ضرور کسی کونے میں بیٹھ کر حشیش بیچ رہا ہوتا اور ہزاروں نوجوانوں کو اسی حشیش سے ہیپناٹائز کرنے والا نوجوانوں کی توجیہ کو ترستا رہتا۔۔۔ درج بالا سطور میں اشارۃً جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اسی بات کا پھر اعادہ کیا جا رہا ہے کہ اس جدید دنیا میں اشیاء ضروریہ میں یہ چیزیں داخل ہو چکی ہیں جس کا انکار کرنا گویا اپنی آنکھیں بند رکھ کر روشن دن کا انکار کرنا ہے۔ تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اشد ضرورت کے بقدر ہی اور زیادہ تر کسی کی موجودگی میں ہی ان چیزوں کا استعمال کریں۔ تنہائی میں موبائل اور انٹرنیٹ یا اس سے جڑی دوسری چیزوں کا استعمال آپ کے ایمان پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے اور دیمک کی طرح اندرونی طور پر آپ کی صاف ستھری شخصیت کو کھا جائے گا، ایمان بالغیب میں اور توحید پر ایمان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر چھوٹی بڑی حرکت سے واقف ہے چاہے وہ کتنی ہی پوشیدہ ہو لیکن اسی نیٹ کے سرچ انجن نے اس کے صارف کی تنہائی میں کی ہوئی ہر حرکت کو شہادت کے طور پر محفوظ کر لیا ہے تا کہ دنیا ہی میں اس کے خلاف حجت تمام کر سکے۔ دوسری بات یہ کہ ساری دنیا سے چھپ کر ہم کوئی بھی عمل کریں

ہمارے ایمان میں یہ بھی شامل ہے کہ دو فرشتے کراماً کاتبین انسان کی ہر حرکت و جنبش کو انسان کے نامہ اعمال میں محفوظ کر رہے ہیں۔ موبائل اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تنہائی کی سرگرمیوں نے اس تصور کو بری طرح مجروح کیا ہوا ہے یا دوسرے معنی میں کہا جائے تو انسان کو اتنا جری و بے باک کر دیا ہے کہ وہ سب جانتے ہوئے بھی ہر وہ عمل کر گزرتے ہیں جس کے تعلق سے ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ یہ عمل منکرات میں شامل ہے۔

اس کا ایک اور پہلو ہے جو ایک داعی یا راہ حق کے مسافر کو اپنے تمام تر دعوؤں میں جھوٹا ثابت کر دے گا اور اسے ہر کوئی بلا چوں و چرا قبول بھی کرلے گا وہ یہ ہے کہ موبائل اور انٹرنیٹ پر انجام دی گئی ہر تحقیق و سرگرمی ہمارے دشمن کی نظر میں ہے۔ ہمارا پروفائل، ہمارا اسٹیٹس، یہاں تک کہ جس کو ہم پراؤیسی کے نام پر اپنوں سے چھپاتے پھرتے ہیں اور وہ سب کچھ جس کا ہمیں ادراک اور وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا ہمارے دشمن کی نظر میں ہے، شاید یہی وجہ ہیکہ وقت کے بڑے بڑے مزکی اور دعوت دین کی راہ میں اپنا سب کچھ لگا دینے والے باطل کے آلہ کاروں کے سامنے اپنا اخلاقی وقار باقی نہیں رکھ پا رہے ہیں یا ان کا کچا چٹھا کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا جاتا ہوگا جس پر مہر بہ لب ہوکر اپنے حجروں میں احساس ندامت و شرمندگی سے واپس لوٹ جاتے ہوں گے۔

میں کسی پر الزام لگا رہا ہوں اور نا ہی کسی صاحب ایمان کے تعلق سے سوئے ظن رکھ سکتا ہوں۔ آخرت میں میرے لیے یہی بہتر ہے، لیکن یہ تمام باتیں اس جدید دور میں امکانی معنویت کو تقویت دیتی ہیں جس سے کوئی انکاری نہیں ہوسکتا۔

(آزمائش نمبر 2) مذکورہ بالا سطور میں جس آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے تحریک اسلامی سے وابستہ افراد متاثر نا ہوں اور میرا حسن ظن یہ ہیکہ ایک تحریکی فرد کا ایمان اور شعور اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ ان جدید آلات کو صرف تعمیر و اصلاح اور اسلام کے غلبے کے لیے ہی استعمال کرے گا اور جہاں اپنی ذات کو نقصان پہنچانے والا کوئی بھی تخریبی عنصر نظر آئے گا وہ اس سے بچتا ہوا نکل جائے گا ان شاء اللہ لیکن زیبائش و نمائش کے اس دور میں جہاں ساری دنیا ایک موبائل کی شکل میں آئینہ خانہ بنی ہوئی ہے، جہاں اپنے آپ کو اپنی ساری خصوصیات، ہنر و کمالات کے ساتھ پیش کرنا ہی اصل کامیابی سمجھا جاتا ہے، مختلف سوشل سائٹس پر نکمے اور مسخرے لوگ جہاں دیکھتے ہی دیکھتے مشہور ہوجاتے ہیں، فین فولوونگ کے نام اور اسے حاصل کرنے کی خاطر تاریخ کے ایسے ایسے واقعات جن کو نا آسمان نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور نا زمین نے اپنی پیٹھ پر آج تک جس کا مشاہدہ کیا آئے دن رونما ہوتے ہیں جس کی چکا چوند نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے، دماغ ماؤف کر دیے اور انسان کو خواہشات کی بے جا پندار میں گرفتار کر دیا ہے، ایسے میں کارکنان تحریک کے لیے یہ بڑی آزمائش ہے۔ اسٹیج اور کیمرے کی دنیا نے نام و شہرت کے معیارات بدل کر رکھ دیے ہیں، اب کہاں سفر کی صعوبتوں سے تھکا ماندہ مقرر جس کے چہرے پر سفر کے آثار نظر آتے ہوں۔ یہ نا کسی پر طنز ہے اور نا اسٹیج و کیمرہ کی مخالفت ہے لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ انداز بیان کی یہی خوبی اور تحریک کی توسیع و اسلام کی اشاعت و ترویج کی خاطر خود کو کیمرے کے سامنے پیش کرنے میں بہت سے لوگ نام و شہرت کے دام و فریب اور خود پسندی سے بڑھ کر انانیت کا شکار ہوئے ہیں، جس سے تحریک اسلامی اور اس کے کاز کو اس دور میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، جہاں تحریک اسلامی کی اجتماعی توجہ اپنے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے میں لگنی چاہیے تھی وہاں اسی غیر محسوس انداز سے افراد کا آزمائش کا شکار ہونے والوں کے مسائل و تنازعات کا حل نکالنے میں ساری توجہ منقسم ہو کر رہ گئی ہے۔

تحریک سے وابستگی اور ہمارے عہد و اقرار کا تقاضہ یہ ہیکہ جب تک ہم تحریک اسلامی سے وابستہ رہیں ہمارا ہر عمل اسلامی کاز اور تحریک کو تقویت پہنچانے والا اور اس کے وسیع تر مفاد میں ہو، ہمارا کچھ بھی ہمارا نا ہو بلکہ اس پر تحریک کا حق ہو، ہم لکھیں تو تحریک کے لیے لکھیں، پڑھیں تو تحریک کے لیے پڑھیں، پیش کریں تو تحریک کو کریں، غرض ہماری صلاحیت، جان، مال، وقت، سب کچھ ہمارے مقصد و نصب العین کے لیے ہو، سوشل سائٹس اور اس سے جڑے تمام پلیٹ فارم پر ہم خود کو متعارف کرانے کے بجائے تحریک اور اس کے مقصد کو متعارف کروائیں۔ اس کے ذریعے انعام و اکرام، عزت و شہرت عطا کرنا یہ اللہ کا کام ہے ہماری چاہ اور خواہش آخرت کی کامیابی ہو، اور ہماری نظر آخرت کی جزا و سزا پر ہونی چاہیے۔

●●●

تحریک آزادیٔ نسواں

ابوحمید فلاحی

دورِ حاضر کا چلتا ہوا ایک سکہ تحریک آزادی نسواں (فیمنزم) ہے۔ یہ تحریک یورپ میں چرچ کے مظالم کے خلاف اٹھنے والی تحریک کا ایک حصہ ہے، جو خواتین کی مطلق آزادی کی قائل ہے۔ یہ تحریک ردعمل کے بجائے واقعیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے خواتین کے حقوق کی بازیابی کی جدوجہد کرتی تو دنیا کے حق پسند اس کے پشت پر ہوتے لیکن اس تحریک کے مقاصد شروع سے ہی غیر فطری، انسانیت دشمن اور تباہی کی طرف لے جانے والے رہے ہیں۔ اس لیے اس تحریک کے اثرات بد سے دنیا کو بچانے کی کوشش کرنا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے۔

تحریک نسواں کا پس منظر

یورپ میں اٹھارہویں صدی سے پہلے تک خواتین ہر قسم کے حقوق سے نہ صرف محروم تھیں بلکہ انتہائی ظلم و بربریت کا شکار تھیں۔ یورپ نے جب کلیسا سے چھٹکارا حاصل کیا اور صنعتی انقلاب نے زندگیوں کو پرتعیش بنانا شروع کر دیا تو زیادہ سے زیادہ پیداوار کے حصول کے لیے خواتین کو مردوں کی طرح گھروں سے نکال کر انڈسٹریز میں لگا دیا گیا۔ اس کام کے لئے اسے پہلے خوشنما نعرے دیے گئے، کلیسا کے مظالم سے (جو حقیقت میں تھے) ان نعروں کو مستحکم کیا گیا اور پھر دنیا کے ہر اس نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا گیا جو ان کی مادر پدر آزادی پر تحفظات کا اظہار کرتا رہا ہو۔

فیمنزم کے مقاصد

اس تحریک کے واضح مقاصد یہ ہیں کہ عورت کو معاشرتی، اقتصادی، سیاسی غرض زندگی کے ہر شعبے میں وہی حقوق حاصل ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ ان کی شخصی آزادی پر کسی قسم کی قدغن نہ ہو۔ دفتروں اور کارخانوں میں ملازمت ہو یا آزاد تجارتی اور صنعتی پیشے مختلف قسم کے کھیل ہوں یا دوسرے تفریحی مشاغل، عورت ان سب میں مردوں کے برابر حصہ لینے کا حق رکھتی ہے۔ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں، بچوں کی پرورش اور تربیت، خاندان کی خدمت، بزرگوں اور شوہر کا احترام وغیرہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے یورپ میں اس تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ سماج کا تانا بانا بکھر کر رہ گیا۔ عورت بظاہر مکمل آزاد تو ہو گئی لیکن اس کے نتائج بڑے خطرناک سامنے آئے۔ مغرب کا سماجی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ افزائش نسل کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے۔ زندگی سے سکون غائب ہے۔ ناجائز بچوں اور ان کی خودکشیاں عام ہیں۔ احساس ذمہ داری ختم ہو چکی ہے۔ بزرگوں کی خدمت بوجھ بن گیا ہے۔ ہم جنس پرستی کے جواز کے قوانین بن گئے جس کے نتیجے میں ایڈز جیسی بیماریاں عام ہو رہی ہیں۔ حالت یہ ہو چکی ہے کہ اب تحریک نسواں کی پرزور حامی خواتین Betty Friedan اور Germaine Greer وغیرہ خود تحریک نسواں کے خوفناک نتائج دیکھ کر چیخ اٹھی ہیں۔ Betty Friedan اپنی کتاب The second stage میں لکھتی ہیں۔ کیا عورتیں اپنے جنسی وجود کا انکار کر سکتی ہیں؟ کیا وہ مرد سے مکمل طور پر الگ

ہوسکتی ہیں؟ کیا اولاد سے نجات حاصل کر کے یا خاندان کے ادارے سے باہر نکل کر وہ حقیقی معنوں میں نجات پاسکتی ہیں؟ اسی طرح کے خیالات کا اظہار Germaine Greer وغیرہ نے بھی کیا ہے کہ ہمارے اندازے سب غلط ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیں ملازمت سے زیادہ گھر کی ضرورت ہے۔

فیمنزم مسلم دنیا میں

جدید عربی لٹریچر کے ذریعے سب سے پہلے مصر اس تحریک کا شکار بنا اور پھر آگے چل کر ترکی میں یہ تحریک حکومت کے سپورٹ کے نتیجے میں انتہائی شکل تک پہنچ گئی۔ البتہ مجموعی طور پر مسلم ممالک میں اس کا سیلاب یو۔این۔او کی سرپرستی میں 1994 میں قاہرہ کانفرنس اور 1995 میں بیجنگ کانفرنس کے نتیجے میں آیا۔ قاہرہ کانفرنس میں دوسو ملکوں سے پچاس ہزار خواتین نے نمائندگی کی۔ اس کانفرنس میں متعدد دفعات پاس ہوئیں جن کا خلاصہ یہ تھا:

عورت کو ماں بننے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر وہ بے راہ روی کے دوران حاملہ ہو جائے تو حمل ضائع کرنا اس کا قانونی حق ہو، جرم نہ سمجھا جائے۔

قاہرہ کانفرنس اور پھر بیجنگ کانفرنس عورت کے بگاڑ کے طوفان کو بڑھاوا دینے کے لئے مہمیز ثابت ہوئیں۔ جن میں کنڈوم کلچر، عورتوں کے لئے اسقاط حمل، بچوں کے لئے عورت کے اپنے اختیار اور ہم جنسیت کے قانونی جواز وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کو اہل مغرب فیمنزم کہتے ہیں اس کا صحیح مفہوم آزادی نسواں نہیں بن سکتا۔ اس تحریک کی بانی خواتین کے افکار کا جائزہ لینے اور قاہرہ و بیجنگ کانفرنسوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ Feminist Movement دراصل عورت کی آوارگی، ممتا کے قتل، اور بیوی کی گمشدگی کی تحریک ہے، جو شادی بھی بطور پیشہ کرنا چاہتی ہے۔ مغرب میں فیمنزم کی تحریک اس قدر طاقتور ثابت ہوئی کہ اس نے سماجی نظام کو تباہ و برباد کر دیا اور اب مغربی ممالک اپنے شہریوں کو تلقین کر رہے ہیں اور سہولیات کا اعلان کر رہے ہیں کہ وہ بچے پیدا کریں اور خاندان کے نظام کو مستحکم بنائیں ورنہ ملک تباہ ہو جائے گا۔ غیر فطری طریقہ جب بھی اختیار کیا جائے گا اس کا نتیجہ تباہی کی شکل میں سامنے ضرور آئے گا۔

اسلام کا تصور مرد و زن

اللہ نے کائنات کا نظم عدل و توازن پر قائم کیا ہے۔ یہ عدل و توازن ذرا بھی متاثر ہو جائے تو کائنات فساد کا شکار ہو جائے گی۔ اللہ کے اس اصول کے مطابق کائنات میں مرد اپنی جگہ ذمہ دار ہیں اور عورتیں اپنی جگہ۔ اللہ نے ان دونوں کے ذمے وہی کام کیے ہیں جو اس نے ان کی فطرت میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ دنیا کا حاکم انسان ہے اور یہ انسان مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ گویا انسانی شرف میں دونوں یکساں ہیں، ایک ہی مادہ سے ان کا ضمیر اٹھا ہے۔ ایک جیسی شکل وصورت اور ناک ونقشہ ہے۔ دونوں ہی برابر کے ذمہ دار ہیں اور مسئول ہیں۔ اس لیے ادنیٰ اور اعلیٰ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ کوئی برتر ہے نہ کمتر۔

انسان پر فطرت نے دو ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ بقائے زندگی اور بقائے نسل۔ جہاں تک بقائے زندگی کا تعلق ہے تو انسان کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے خوراک کا بندوبست کرنا ہے، پھر اس کے ساتھ رہائش کا، پھر ناگہانی مصائب مثلاً، بیماری، دکھ، اور دشمن سے حفاظت وغیرہ کا بھی اہتمام کرنا ہے۔ ان تینوں فریضوں کی ادائیگی کے لئے ایک صنف کو انہیں اوصاف کا حامل بنایا۔ پھر بقائے نسل کے لئے ان صفات کے برعکس ایسا یونٹ درکار ہے جو پونے تین سال تک پوری توجہ اور رہنمائی کے ساتھ تخلیق اور رضاعت کے کام میں مشغول رہے۔ شفقت، صبر، اور تحمل کے ساتھ اس کو سرانجام دیتا رہے، لہٰذا دوسرے یونٹ کو یہ تمام صفات عطاء کردی گئیں۔ اسے خوراک کے بندوبست، دشمنوں سے حفاظت جیسی سخت ذمہ داریوں سے فارغ کر دیا گیا۔ خدمات کی اس تقسیم کو دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ افزائش نسل کا کام گھٹیا ہے اور اس کو سرانجام دینے والی مخلوق کوئی گھٹیا یا دوسرے درجے کی مخلوق ہے اور اصل انسان تو حفاظت ونگہبانی کرنے والا ہے اور خوراک مہیا کرنے والا مرد ہی ہے۔

اسلام کی اس فطری تقسیم پر تعصب سے ذہن کو خالی کر کے جو بھی غور کرے گا وہ جان لے گا کہ حقیقی مقام و مرتبہ خواتین کو صرف اسلام نے ہی دیا ہے جب کہ اس کے بالمقابل فیمنزم دراصل خواتین اور سماج کی تباہی کا دوسرا نام ہے۔

●●●

عصر حاضر اور نظریۂ جہاد

ابوالفیض اعظمی

پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے ۔ آپ نے ملک کی مختلف جامعات (دہلی یونیورسٹی، جواہرلال نہرو یونیورسٹی، حیدرآباد وغیرہ) میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے ساتھ صدر شعبہ بھی رہے ہیں ۔ آپ ایک وسیع النظر شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ ہی جید عالم دین بھی ہیں ۔ پروفیسر صاحب متعدد کتابوں کے مرتب، مؤلف اور مصنف بھی ہیں ۔

یہ کتاب ایک ایسے موضوع (جہاد) پر مرتب کی گئی ہے جس پر ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی میں بہت کچھ لکھا گیا اور ابھی تک لکھا جا رہا ہے ۔ لفظ ”جہاد“ کو بدنام کرنے اور تصور جہاد کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ۔ دہشت گردی کے نام پر اسلام، مسلمان اور سینکڑوں عظیم المرتب صحابہ کرام کی شخصیات کو نشانہ بنایا گیا، بہت سے بے قصور مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا، جس میں آج بھی وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں ۔

۱۸ویں صدی میں انقلاب فرانس کے بعد اسلام کے خلاف منظم سازش کے تحت بہت سے باطل نظریات سامنے آئے ۔ اسی وقت سے جہاد اور غلبۂ دین کی فکر کو ختم کرنے کی کوشش شروع ہوئی ۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے اواخر میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسائی مشنریوں کے اشارے پر جہاد کے تصور کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے سینکڑوں کتابیں لکھی ۔ جہاد کو بدنام کرنے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے لیکن حدیث نبوی کے مطابق:

”یہ دین قیامت تک ہمیشہ قائم رہے گا اس لیے کہ مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لیے برابر قتال کرتی رہے گی ۔“ (مسلم)

زیر نظر کتاب ”عصر حاضر اور نظریہ جہاد“ مختلف تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے ۔ اس کتاب میں مولانا وحید الدین خان، مولانا یحییٰ نعمانی، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا عنایت اللہ اسد سبحانی کے نظریہ جہاد اور تصور جہاد کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ قرآن وسنت کی روشنی میں لیا گیا ہے ۔ کتاب میں کل ۱۰ (دس) مضامین شامل ہیں جن میں ۵ مضامین مولانا عبد العلیم اصلاحی کے ہیں اور مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا نصیر الدین حیدرآباد، سید نور العارفین، ڈاکٹر ظل ہما اور مرتب کتاب پروفیسر محسن عثمانی ندوی کے ایک ایک مضامین ہیں ۔

مولانا عتیق احمد بستوی اپنے تنقیدی مضمون ”مولانا وحید الدین خان کا تصور جہاد“ میں لکھتے ہیں:

”دفاعی جہاد کے لیے خاں صاحب نے جو شرطیں اپنی مختلف تحریروں میں بیان کی ہے ان میں سے بیشتر موصوف کے ”زرخیز“ ذہن کی پیداوار ہیں ۔ ان شرطوں کو قرآن وسنت میں اور مفسرین، محدثین، فقہاء کی تحریروں میں تلاش کرنا فعل عبث ہے ۔ ان شرطوں کا باطل اور بے اصل ہونا اتنا واضح ہے کہ ان کی نقاب کشائی کی ضرورت نہیں ہے ۔ جہاد کے لیے ہجرت کی شرط سب سے زیادہ دلچسپ ہے ۔ خان صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ مدعو کے ساتھ مخلوط آبادی میں جہاد نہیں ۔ موصوف ہی بتا سکتے ہیں کہ بنو قریظہ (مدینہ میں رہنے والا یہود کا ایک قبیلہ) سے جہاد کرنے کے لیے نبی اکرمؐ نے مدینہ سے ہجرت کیوں نہیں فرمائی اور مدعو کے ساتھ مخلوط آبادی میں جہاد کیوں کیا؟“ (ص ۱۲، ۱۳)

مولانا نصیر الدین حیدرآباد ”عصر حاضر اور جہاد ۔ ایک جائزہ“ کے تحت مولانا یحییٰ نعمانی صاحب

کے تصور جہاد کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
''مولانا نے مسلح جہاد کے بارے میں فرمایا! جہاد کے جواز کے لیے حالات کی سازگاری اور اچھے نتائج کی توقع شرط ہے ۔ یہ شرط قرآن وحدیث کے ذخیرے میں کہیں نہیں پائی جاتی بلکہ قرآن تو نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر مقابل کی طاقت کو خاطر میں لائے بغیر مقابلہ کرنے اور جنگ لڑنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد:
''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔'' (التوبہ) (ص ۲۳)
ڈاکٹر ظل ہما ''جہاد کے شرائط پر ایک نظر'' میں مولانا یحییٰ نعمانی کے ایک مضمون کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:
''جب کفر اور غلبۂ کفر جہاد اور قتال کی علت نہیں ہے تو پھر غزوہ بدر اولیٰ سے لے کر جیش اسامہ کی روانگی تک پیارے رسولؐ کے نزدیک جہاد و قتال کی علت کیا تھی ۔ خلافت صدیقیؓ سے لے کر خلافت علیؓ تک ساری جنگیں کیوں لڑی گئیں ۔'' (ص ۵۶)
مولانا عبدالعلیم اصلاحی ''مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کا تصور جہاد'' کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:
''ظاہر ہے جب کوئی ملک دار الحرب نہیں ہے تو جہاد کا بھی سوال ختم ہے اور جہاد و قتال سے متعلق قرآنی آیات واحادیث بے محل ہو کر رہ جائیں گی۔''
آگے مولانا لکھتے ہیں:
''ایک تو یہ ہے کہ ہمارے علماء اس دور میں زیر کفر وشرک رہنے کے لیے وجہ جواز کے دلائل کتاب وسنت سے ڈھونڈتے ہیں اور سب سے بڑا عالم وہ مانا جاتا ہے جو کتاب وسنت سے بھی ایسے مسائل ڈھونڈ نکالنے میں کمیونزم، سوشلزم اور سیکولرزم کے زیر اقتدار سکون سے رہنے کے لیے جواز نکال سکے ۔'' (ص ۷۹، ۸۰)
''مولانا عنایت اللہ سبحانی کے نظریہ جہاد'' کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا عبدالعلیم اصلاحی لکھتے ہیں:
''اس لحاظ سے سوچا جائے تو سبحانی صاحب کی بات نہایت ہی سنگین بات بن جاتی ہے اس لیے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے کفر اور شرک کو قابل نفرت چیز قرار دیا ہے اور کفر وشرک سے بغض و عداوت کو جز و ایمان قرار دیا ہے اور قرآن نے کفر کے بطن سے نکلی ہوئی چیزوں کو گندگی اور اہل کفر کو ایسا نجس کہا کہ مسجد حرام کے قریب بھی انہیں آنے کی اجازت نہیں دی ۔'' (ص ۱۱۲، ۱۱۳)
''حاکم کے خلاف خروج کا مسئلہ ۔ استدراک اور توضیح'' اس مضمون میں پروفیسر محسن عثمانی ندوی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے نظریہ جہاد کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:
''مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی مراد عرب ملکوں میں حکمرانوں کے خلاف اٹھنے والی تحریک ہے جیسے مصر میں، شام میں، تیونس میں، لیبیا میں حکمرانوں کے خلاف تحریکیں اٹھیں ہیں ۔ ظاہر ہے کہ تحریکیں توان ہی عرب ملکوں میں اٹھی ہیں ۔ داعش تو ایک متوازی نظام حکومت کا نام ہے۔'' (ص ۱۲۸)
کتاب میں شامل تمام تحریر سادہ اور سلیس ہے جس سے قاری کو پڑھنے میں کسی طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے ۔ کتاب میں شامل تمام مضامین پڑھنے کے قابل ہیں ۔ خاص طور پر تحریک اسلامی کے ہر فرد کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے تاکہ جہاد کی جو غلط توضیح کی جاتی ہے اس سے لوگ واقف ہو سکیں اور اپنے اندر جذبہ جہاد اور شوق شہادت مزید پروان چڑھا سکیں ۔
یہ کتاب ۱۶۶ صفحات پر مشتمل ہے، گائیڈنس پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز دہلی نے شائع کیا ہے ۔

●●●

فتح نامہ

تغیّر زمانے کا بتلا رہا ہے
جہاں میں کوئی انقلاب آرہا ہے
ندا کہساروں سے سُن آرہی ہے
جنازہ انا کا تری جا رہا ہے
تری رہبری کا ہوا خاتمہ اب
کوئی راہبر اب نیا آرہا ہے
فضا گونج اٹھی حق کے نعروں سے دیکھو
صدا سن کے باطل یہ گھبرا رہا ہے
بہاروں کی آمد پہ گلشن میں کوئی
سنو نغمۂ جانفزا گا رہا ہے
مچی دیکھو باطل کے خیموں میں ہلچل
کوئی آرہا ہے کوئی آرہا ہے
ہواؤں میں پاکیزگی گھل گئی ہے
حیا سے اُفق اُن کی شرما رہا ہے
کوئی ان کی آمد پہ خوشیاں منائے
کوئی ان کی ہیبت سے تھرّا رہا ہے
خدا کا بجا لاؤ تم شکر نادر
تمہاری امیدوں کو بر لا رہا ہے

(پرویز نادر)

●●●

پیسوں کی دوڑ

عبداللہ

جب میں چھوٹا ہوا کرتا تھا تو گاؤں میں جب کوئی شادی ہوا کرتی تھی تو ہم سب دوست اس شادی پر پیسے لوٹنے جایا کرتے تھے۔ میں کبھی بیس کبھی چالیس تو کبھی کبھی ساٹھ ستر بھی لوٹ لیا کرتا تھا۔ جب برات کے لوگ پیسے لوٹا رہے ہوتے تھے تو بہت دھکم پیل ہوا کرتی تھی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوتا تھا۔ ہر بچے کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مجھے زیادہ سے زیادہ پیسے مل جائیں اگر کسی چھوٹے بچے کے ہاتھ کوئی نوٹ لگ جاتا تو وہ بھی اس بچارے سے چھین لیا جاتا تھا۔ کچھ شادیوں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب برات روانہ ہونے لگتی تو ایک گاڑی کی سپیڈ آہستہ کر کے کبھی ایک تو کبھی دو نوٹ پھینک دیے جاتے اور انہیں نوٹوں کے پیچھے بچے بھاگتے بھاگتے کافی دور نکل جاتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں بھی اس دوڑ میں شامل ہو گیا۔ اور پیسے لٹانے والی گاڑی کے پیچھے دوڑنا شروع ہو گیا۔ وہ کبھی کبھی دو چار نوٹ پھینک دیتے۔ میں چونکہ بچہ تھا تو میرے ہاتھ کوئی نوٹ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور بھاگتا رہا کہ کبھی تو کوئی نوٹ میرے ہاتھ بھی لگے گا۔ مجھے بھی میری محنت کا پھل ملے گا۔ پر بھاگ بھاگ کر میری حالت بہت بری ہو گئی تھی۔ پھر اچانک سات آٹھ نوٹوں کا گٹھا میرے منہ پر آ کر لگا اور میں نے اسے دبوچ لیا۔ میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ میں نے اور پیسوں کے لالچ میں اور تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ ہمیں پتہ ہی نہ چلا ہم دوست ان پیسوں کے لالچ میں اپنے گھر سے کتنا دور آ نکلے ہیں۔ ہم بس بنا سوچے سمجھے بھاگے جا رہے تھے۔

پھر اچانک سے میرا پاؤں کسی چیز میں اٹکا اور میرا سر زمین پر زور سے جا ٹکرایا۔ اور میں تقریباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ میرے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ میرے دوستوں نے مجھے اٹھایا اور بڑی مشکل سے گاؤں واپس لائے۔ اور جو پیسے میں نے لوٹے تھے اسی سے میری پٹی کروا کے دوائی لے دی۔ اور جب میں گھر پہنچا تو میرے پاس سر پر لگی ہوئی پٹی اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی دوائیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اب میں بڑا تو ہو گیا ہوں پر میں اب بھی اسی پیسوں کی دوڑ میں اسی کار کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ اور دو چار نوٹ لوٹ لینے کے بعد اپنی دوڑ کو اور تیز کرتا جا رہا ہوں تاکہ اور نوٹ لوٹ سکوں اور ان نوٹوں کو لوٹنے کے نشے میں بھول ہی چکا ہوں کہ میں اپنے گھر اپنے رشتوں اور اپنے دوستوں کو کتنا پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور سب سے اہم رشتہ جو بندے کا اپنے اللہ سے ہوتا ہے اس سے کس قدر لاتعلقی اختیار کر چکا ہوں۔ اور اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں پھر سے مجھے ٹھوکر نہ لگ جائے اور میں نیچے نہ گر جاؤں۔ اور میرے سارے لوٹے ہوئے پیسے میری ذات پر ہی نہ لگ جائیں اور جب میں گھر جاؤں تو کہیں میرے ہاتھوں میں دوائیوں کے سوا کچھ نہ ہو۔

●●●

اِبلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

شارح: شیر خالد

لا کر بَرَہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُنّاریوں کو دَیرِ کُہن سے نکال دو

معنی: زناری: زنار (جنیو، وہ دھاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان پہنتے ہیں) پہننے والا، ہندو۔ دیرِ کہن: پرانے مندر۔

شرح: شیطان اپنے فرزندوں کو حکم دیتا ہے کہ ہندو مذہب اور اور اسکی روایات کو ختم کر دو اور اسکے لئے ہندوؤں کے پیشواؤں یعنی برہمنوں کو اس طرح سیاست میں الجھا دو کہ وہ مندروں سے نکل کر تمہارے گرویدہ ہو جائیں اور اپنی تہذیب وثقافت کو چھوڑ دیں۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

شرح: مسلمان اگرچہ فاقہ کش اور غریبی کا شکار ہیں لیکن یہ عشق الٰہی اور عشق رسولؐ میں اس قدر سرشار ہیں کہ اسلام یا بانی اسلام کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور اسے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کے دل سے سرورِ عالمؐ کی محبت اور انکی تعلیمات کو بالکل نکال دو تاکہ ابلیسی نظام دنیا میں نافذ ہو سکے۔

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو

معنی: ملا: عالم، دین کا علم رکھنے والے۔ کوہ و دمن: پہاڑ اور ٹیلے، مراد وادی۔

شرح: افغانستان کے مسلمان جو اسلامی غیرت میں اپنی مثال آپ ہیں، ان میں غیرتِ دینی اصل میں ان ملاؤں کی دینی اور اسلامی تعلیمات کی وجہ سے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ ان ملاؤں کو افغانستان کی وادیوں سے نکال دیا جائے۔ نہ یہ ملا وہاں ہونگے نہ افغانی دینی و اسلامی غیرت سے آشنا ہونگے اور نہ یہ ہماری مزاحمت کر سکیں گے۔

اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
آہُو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

معنی: اہل حرم: حرم کے لوگ، سرزمین عرب کے لوگ۔ آہو: ہرن۔ مرغزار: سبزہ زار، گھاس کا میدان۔ ختن: ترکستان کا علاقہ جہاں کا مُشک مشہور ہے۔

شرح: جس طرح ختن کے علاقے سے اگر کستوری ہرنوں کو نکال دیا جائے تو اس علاقے کی خوشبو خود بخود ختم ہو جائے گی، اسی طرح اگر تم اہلِ حرم (مسلم) سے انکی تہذیبی، ثقافتی اور اسلامی روایات کو رخصت کر دو تو ساری اسلامی دنیا اسلامی روح خالی ہو جائے گی اور مسلمان صرف نام کا رہ جائے گا۔

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

معنی: فرنگی تخیلات: مغربی یا یوروپی فکر۔ حجاز: عرب کا مکہ و مدینہ کا علاقہ، مراد اسلام کا مرکز۔

شرح: ابلیس عرب کی سرزمین، جو اسلام کا مرکز رہا ہے، کو نشانہ بناتے ہوئے اپنے فرزندوں سے کہتا ہے کہ ان عربوں، جس میں حجاز اور یمن کے زرخیز علاقے بھی شامل ہیں، سے اسلامی تعلیمات اور ثقافتی خیالات کو ان کے دلوں سے نکال کر انکے ذہن اور معاشرے میں مغربی تہذیب وثقافت کو اس حد تک جاگزیں کر دو کہ پھر اسلام کے لئے یہاں کوئی جگہ نہ بچے۔

•••

اہم تحریکی سرگرمیاں

کانپور میں کاروان عقاب کے کام کی شروعات

کارنر میٹ بضمن رابطہ مہم، اردھاپور، مہاراشٹر

آئی.وائی.ایف یوتھ کنونشن، رائے پور، چھتیس گڑھ

ماہانہ اجتماع، اونڈھا سرکل، مہاراشٹر

یک روزہ پروگرام، مرشدآباد، بنگال

لائبریری کا قیام، چترپور، جھارکھنڈ

محرم الحرام کی مناسبت سے نوجوانوں کے درمیان پروگرام، گونڈہ، یو.پی

کاروان عقاب پروگرام، چاند پور، بجنور

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No : G/Akl Dn/258/2019-21

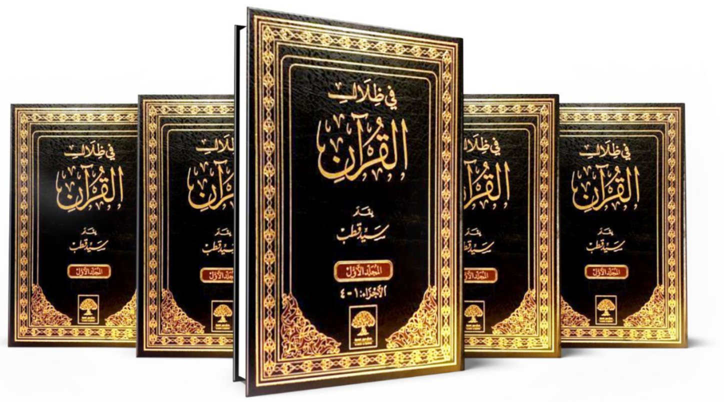

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں

ORDER NOW

موبائل 9599693655

ای میل gpddelhi2018@gmail.com

1st Floor, Opp. Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola, 44001
0724-243433
nukusherah@gmail.com